زخمی

اشتیاق احمد

قسط نمبر 1

اپنے پیچھے کسی تیز رفتار گاڑی کی آواز سن کر وہ ایک دم سڑک سے نیچے اُتر گئے... اسی وقت ایک جیپ بلا کی رفتار سے ان کے پاس سے گزر گئی:

''عجیب احمق ہے... اس قدر تیز گاڑی تو وہ شخص بھی نہیں چلاتا ہوگا جس کے پیچھے موت لگی ہو، کیونکہ اتنی تیز رفتاری بھی تو موت کے منہ میں ڈال سکتی ہے۔'' محمود نے بُرا سامنہ بنایا۔

''ہوسکتا ہے، اس کے پیچھے موت ہی لگی ہو۔''

فرزانہ نے خیال ظاہر

کیا۔

''تمہاری اطلاع کے لیے عرض کردوں کہ اس کے پیچھے اس وقت سوائے ہمارے اور کوئی بھی نہیں ہے۔'' فاروق مسکرایا۔

''خیر! ہم تو موت نہیں ہوسکتے۔'' محمود بولا۔

اچانک انھوں نے جیپ کو لڑکھڑا کر رُکتے دیکھا... ساتھ ہی دھماکا ہوا تھا۔

''لو بھئی، جیپ کا تو پھٹ گیا ٹائر، اب یہ بے چارہ کیا کرے گا؟'' فرزانہ بولی۔

''آؤ پوچھ لیتے ہیں، اب کیا ارادہ ہے... اس قدر تیز کس طرح جاؤ گے۔'' فاروق نے کہا۔

فرزانہ نے اسے گھورا اور پھر منہ بنا کر سامنے دیکھنے لگی... دوسرے ہی لمحے وہ دھک سے رہ گئے... جیپ میں سے خون میں تربتر ایک آدمی نکل کر جنگل کی طرف بھاگ کھڑا ہوا تھا، وہ بری طرح لنگڑا رہا تھا... شاید اس کی ٹانگ بری طرح زخمی تھی۔

''یہ... یہ تو بہت زخمی ہے۔'' محمود بوکھلا اٹھا۔

''ہاں... آؤ... شاید اسے ہماری مدد کی ضرورت ہے۔''

''اسے کہتے ہیں، آ بیل مجھے مار۔'' فاروق نے منہ بنایا۔

محمود اور فرزانہ تیزی سے جنگل میں گھس گئے... فاروق کو بھی ان کا ساتھ دینا پڑا... اُدھر زخمی بلا کی رفتار سے جنگل میں دوڑا جا رہا تھا، لیکن شاید اس کا ستارہ گردش میں تھا، اچانک وہ ایک درخت سے ٹکرا گیا... اس نے بچنے کی بہت کوشش کی، لیکن کامیاب نہیں ہوسکا تھا... گرنے کے بعد وہ نہ اُٹھ سکا۔

اتنے میں وہ اس کے نزدیک پہنچ گئے... اب وہ اُوندھے منہ پڑا تھا:

"ہیلو... ارے بھئی تم کون ہو اور یہاں آ کر اوندھے منہ کیوں لیٹ گئے ہو۔" فاروق اس پر جھکتا ہوا بولا۔

اس کے جسم میں کوئی حرکت نہ ہوئی... اب انھوں نے مل کر اسے سیدھا کیا:

"اوہو! یہ تو بے ہوش ہو گیا ہے۔" محمود چونکا۔

"ہاں! کچھ تو پہلے ہی بہت زخمی تھا، کچھ درخت سے ٹکرا گیا، خون بہت بہہ چکا ہے، بے ہوش نہیں ہو گا تو کیا کرے گا۔" فرزانہ جلدی جلدی بولی۔

"اب کیا کیا جائے؟"

"کرنا کیا ہے، اسے ہسپتال تک پہنچانا پڑے گا۔"

"لیکن کیسے... ہم تو پیدل ہیں، اس کی جیپ پنکچر ہو چکی ہے... ہم اسے کس طرح لے جا سکتے ہیں۔"

"اس طرح کہ ہم میں سے ایک اس کے پاس ٹھہرے گا... باقی دو شہری حدود میں پہنچ کر ہسپتال والوں کو فون کر آئیں گے۔"

"بالکل ٹھیک... اس کے سوا کوئی چارہ نہیں۔"

"تو پھر میں یہاں ٹھہرتا ہوں، تم دونوں فون کر آؤ۔" محمود نے کہا۔

"تمہیں ڈر تو نہیں لگے گا؟" فاروق نے گھبرا کر پوچھا "میں بزدل نہیں ہوں۔" محمود مسکرایا۔

فاروق اور فرزانہ نے ابھی اپنا رخ سڑک کی طرف کیا ہی تھا کہ ایک لمبی سی نیلے رنگ کی کار آندھی اور طوفان کی طرح جیپ کے پیچھے آ کر رُکی، کسی نے چیخ کر کہا:

"یہ رہی اس کی جیپ... وہ یہیں کہیں ہو گا... بہت زخمی ہے، زیادہ دور نہیں جا سکتا... تلاش کرو اور جہاں بھی نظر آئے ٹھکانے لگا دو۔"

وہ بوکھلا اٹھے... بہت سنسنی خیز حکم تھا... زخموں سے چور ایک آدمی کو جان سے مار ڈالنے کا حکم دیا گیا تھا... اور وہ زخمی ان کے پیروں کے پاس پڑا تھا، انھیں یوں لگا جیسے وہ بے ہوشی کے عالم میں بھی ان سے کہہ رہا ہو:

"کیا تم مجھے ان درندوں سے نہیں بچاؤ گے؟"

"جلدی کرو... اسے اُٹھا کر دوسری طرف لے چلو... وہ خون کے دھبوں کو دیکھ کر سیدھے اس طرف آئیں گے اور اس کا خاتمہ کر دیں گے... وہ نہ جانے کتنے ہیں اور ان کے پاس ہتھیار کتنے ہیں۔"

"ہوں، لیکن ہم اسے زیادہ دور تک تو لے جا نہیں سکیں گے۔" فرزانہ بولی۔

"کچھ بھی ہو... جہاں تک ممکن ہے، لے جانا ہو گا۔"

تینوں نے بے ہوش زخمی کو اُٹھایا اور مخالف سمت میں لے چلے... زخمی کافی وزنی آدمی تھا... اسے اُٹھا کر لے جانا ان کے لیے آسان کام نہیں تھا، لیکن دوسری طرف اس کی زندگی کا مسئلہ تھا، کچھ لوگ اسے موت کے گھاٹ اتار دینے پر تلے ہوئے تھے، جب وہ بری طرح ہانپنے لگے تو اسے زمین پر لٹا دیا... فاروق نے ہانپتے ہوئے دبی آواز میں کہا:

''بس! اب اس سے آگے نہیں لے جایا جاتا۔''

''یہ بھی بہت ہے، ہم اسے کافی دور لے آئے ہیں، جب کہ اس کے دشمن خون کے نشانات کی سیدھ میں آگے بڑھتے چلے جائیں گے۔'' محمود نے کہا۔

''خدا کرے ایسا ہی ہو... مشکل یہ ہے کہ اس وقت ہمارے پاس کوئی ہتھیار نہیں ہے۔'' فرزانہ نے ادھر اُدھر دیکھا۔

''خیر کوئی بات نہیں... مومن ہے تو بے تیغ بھی لڑتا ہے، اگر لڑنے کا موقع آ پڑا تو ہم لڑیں گے بھی... اس بے ہوش زخمی کو قتل ہوتے کس طرح دیکھ سکتے ہیں۔''

اسی وقت انھوں نے جنگل میں قدموں کی آواز سنی... وہ درختوں کی اوٹ میں ہو گئے... انھوں نے کافی دور چھے سات آدمیوں کو اس طرف جاتے دیکھا، جس طرف سے زخمی گزرا تھا۔

''کیوں نہ ہم موقعے سے فائدہ اُٹھا کر سڑک پر پہنچ جائیں اور۔'' محمود کہتے کہتے رُک گیا۔

''اور کیا... تم کہتے کہتے رُک کیوں جاتے ہو؟'' فرزانہ بے تابانہ بولی۔

''اور یہ کہ وہاں ان لوگوں کی نیلی کار موجود ہے، ہم اس کار پر اس زخمی کو سوار کر کے بھاگ نکلیں۔'' محمود مسکرایا۔

''اول تو زخمی کو کار تک لے جانا آسان کام نہیں، دوسرے یہ کہ اگر لے بھی جائیں تو کار کے پاس بھی تو ان کا کوئی ساتھی موجود ہوگا... اس کا ہم کیا کریں گے۔'' فاروق نے اعتراض کیا۔

''میں بتاتا ہوں... ہم کسی چیز سے اس کے سر کا نشانہ لے سکتے ہیں۔''

''ہوں، بات ٹھیک ہے... غور کیا جا سکتا ہے... سنو... میرے ذہن میں ایک ترکیب آئی ہے... یہ کہ ہم زخمی کو اُٹھا کر سڑک کے کنارے تک پہنچا دیتے ہیں اور پھر کار پر قبضہ کرنے کی کوشش شروع کر دیں گے۔''

''ٹھیک ہے، ان حالات میں ہم اس کے سوا کر ہی کیا سکتے ہیں۔'' فرزانہ نے گویا منظوری دی۔

''ان حالات میں ہی کیا، ہم تو ہر قسم کے حالات میں ہی یہی کچھ کر پاتے ہیں۔'' فاروق جھلا اُٹھا۔

''آخر تم اس قدر جھنجھلا کیوں رہے ہو؟''

''اس لیے کہ نکلے تھے شہر سے باہر کی سیر کرنے... یہ سیر ہو رہی ہے۔''

''بھئی سیر نے ہمیں ایک عدد چکر میں اُلجھا دیا ہے تو اس میں ہمارا کیا قصور... اور پھر اگر معاملہ ایسا ویسا ہوتا تو ہم دخل

اندازی نہ کرتے... یہاں معاملہ ہے ایک شخص کی زندگی کا جو پہلے ہی بہت زخمی ہے... آخر اس غریب زخمی کو ان لوگوں کو مارنے کی ایسی کیا خاص ضرورت پیش آ گئی ہے... ہے کوئی تک۔" محمود جلدی جلدی کہتا چلا گیا۔

"اچھا بھئی . . . نہیں ہوگی تک . . . چلو اُٹھاؤ اسے۔"

تینوں نے مل کر پھر اسے اُٹھایا اور چکر دے کر سڑک کے کنارے کی طرف بڑھنے لگے... پانچ منٹ تک چلنے کے بعد ہی انھیں سڑک پر نیلی کار دکھائی دینے لگی اور یہ دیکھ کر تو ان کی سٹی گم ہوگئی کہ کار سے ایک آدمی لگا کھڑا تھا اور اس کی نظریں جنگل میں گڑی ہوئی تھیں... اس کے ساتھی جس طرف گئے تھے، وہ اسی سمت میں دیکھ رہا تھا۔ (جاری ہے)

زخمی

اشتیاق احمد

قسط نمبر 2

''اس کی توجہ ہماری سمت میں بالکل بھی نہیں ہے... لہٰذا ہم سڑک کے عین نزدیک پہنچ سکتے ہیں۔''

''لیکن سوال تو کار پر قبضہ کرنے کا ہے... اور ہم اس کے ہاتھ میں ایک عدد پستول بھی دیکھ رہے ہیں۔'' فاروق بولا۔

''تو کیا ہوا.. ہم قدرتی ہتھیاروں سے کام لینے کے عادی ہیں۔'' فرزانہ مسکرائی۔ یہ کہتے ہوئے اس نے زمین پر پڑا ایک پتھر اُٹھالیا۔ یہ سیب جتنا بڑا تھا:

''تم لوگ بھی ایک ایک پتھر اُٹھالو... پتھروں کی یہاں کمی نہیں... سیکڑوں بکھرے پڑے ہیں، ہم ایک ساتھ تین پتھر اس پر دے ماریں گے... کوئی ایک بھی اس کے سر پر بیٹھ گیا تو ہم کامیاب رہیں گے۔'' اس نے کہا۔ ''ٹھیک ہے۔''

زخمی کو انھوں نے ایک درخت کی اوٹ میں لٹا دیا... اس نے ابھی تک ایک بار بھی آنکھ نہیں کھولی تھی... اب وہ کار والے کے اور نزدیک ہونے لگے اور جب اس حد تک پہنچ گئے کہ پتھر نشانے پر لگ سکیں تو رُک گئے... تینوں نے ایک ساتھ نشانہ لیا اور پتھر پھینک مارے... تینوں کے تینوں پتھر ایک ساتھ اس کے سر پر لگے... اس کے حلق سے آواز تک نہ نکل سکی... گرتا چلا گیا:

''ویری گڈ... مزا آ گیا۔'' فاروق چہکا، لیکن آواز نیچی تھی۔

اب تینوں سینے کے بل رینگ کر اس کے پاس پہنچے... محمود نے سب سے پہلے پستول اس کے ہاتھ سے نکال لیا... وہ مکمل طور پر بے ہوش ہو چکا تھا... کار کا ایک دروازہ کھلا تھا... چابی بھی لگی ہوئی تھی... یہ دیکھ کر ان کی باچھیں کھل گئیں... کامیابی ان کے قدم چومنے کے لیے تیار تھی... محمود نے کار کا پچھلا دروازہ بھی کھول دیا... اب تینوں زخمی کے پاس آئے، اسے اٹھایا اور کار کی طرف چلے، ابھی اسے کار کی پچھلی سیٹ پر لٹایا ہی تھا کہ جنگل کی طرف سے آواز اُبھری:

''سر... خون کے نشانات ایک جگہ رُک گئے ہیں، سامنے اور دائیں بائیں کوئی نشان نظر نہیں آ رہا، اب کیا کریں۔''

وہ ساکت رہ گئے... جواب دینے والا تو بے ہوش پڑا تھا۔

''کاش... اس نے یہ سوال ہمارے پتھر مارنے سے پہلے پوچھا ہوتا۔''

''محمود! اب دیر کرنا کسی طرح بھی مناسب نہیں، اب ہمارے پاس ایک عدد پستول بھی ہے۔'' فرزانہ بولی۔

''لیکن فرزانہ... ہمیں کار بیک کرنا ہوگی اور اتنی دیر میں وہ سڑک پر پہنچ جائیں گے۔'' محمود نے اعتراض کیا۔

''اوہ! یہ بھی ٹھیک ہے... کار بیک کرنا خطرناک ہوگا... بس سیدھے ہی نکل چلو۔''

''سر... آپ نے جواب نہیں دیا۔'' دوسری طرف سے کہا گیا۔

''آؤ... اب یہ لوگ سڑک کی طرف دوڑنے ہی والے ہیں۔''

تینوں کار میں بیٹھ گئے، انھوں نے دروازے بھی پورے بند نہ کیے، کیونکہ اس طرح آواز پیدا ہوتی اور پھر محمود نے انجن چلا دیا۔ دوسرے ہی لمحے کار آگے بڑھی۔

''ارے ارے... سر... یہ کیا... اوہ شاید آپ نے اسے اس طرف کہیں دیکھ لیا ہے... فکر نہ کریں، ہم بھی آرہے ہیں۔''

وہ جنگل میں ہی آگے کی طرف دوڑ پڑے... محمود نے رفتار بڑھا دی اور دیکھتے ہی دیکھتے انھیں بہت پیچھے چھوڑ دیا۔

''لو بھئی... ان کے چنگل سے تو نکل آئے... اب کیا کریں؟'' محمود خوش ہو کر بولا۔

''مشکل یہ ہے کہ یہ سڑک دوسرے شہر تک لے جاتی ہے... اس میں سے کوئی اور سڑک نہیں نکلتی جس پر مڑ کر ہم شہر پہنچ سکیں۔''

''مناسب یہی ہے کہ ہم دوسرے شہر پہنچ کر وہیں ہسپتال میں اسے داخل کرا دیں اور کسی اور گاڑی کے ذریعے شہر کی طرف لوٹیں... حملہ آور ہمیں نہیں دیکھ سکے، اس طرح ہم کوئی خطرہ مول لیے بغیر اپنے گھر پہنچ جائیں گے۔'' فرزانہ نے ترکیب بتائی۔

''میرا بھی یہی خیال ہے۔'' محمود بولا۔

''تمہارا تو ہمیشہ ہی وہی خیال ہوتا ہے جو فرزانہ کا ہوتا ہے، لیکن شاید تم دونوں نے یہ نہیں سوچا کہ شاہ پور یہاں سے صرف پینتالیس کلومیٹر دور ہے... وہاں پہنچنے میں پینتالیس منٹ تو لگ ہی جائیں گے، پھر زخمی کو ہسپتال میں داخل کرانا ہوگا... اس میں بھی کچھ وقت لگے گا... اس کے بعد ہم واپسی کا رخ کریں گے، گویا اس میں بھی کچھ وقت لگے گا... تو کیا ابا جان اور امی جان فکر مند نہیں ہو جائیں گے۔'' فاروق نے جلے بھنے لہجے میں کہا۔

''بے شک ہو جائیں گے، لیکن ہم کر ہی کیا سکتے ہیں، دوسرے تمہاری بات کا جواب یہ ہے کہ شاہ پور پہنچ کر ہم گھر فون بھی تو کر سکتے ہیں۔'' فرزانہ مسکرائی۔

''اوہ ہاں... یہ ٹھیک رہے گا۔'' فاروق جلدی سے بولا۔

آخر وہ شاہ پور پہنچے... شہر میں داخل ہونے کے بعد جو پہلا ہسپتال نظر آیا، وہ ایک پرائیویٹ ہسپتال تھا۔

''کیا خیال ہے... سرکاری ہسپتال میں داخل کرانے میں اور وقت ضائع ہوگا... اسے یہیں کیوں نہ داخل کرا دیں۔''

''اور اخراجات کا کیا ہوگا۔'' فاروق نے منہ بنایا۔

''بھئی ہم اتنے غریب بھی نہیں ہیں کہ اس کا ہسپتال کا بل نہ دے سکیں۔'' فرزانہ بھنا کر بولی۔

زخمی کو ہسپتال میں داخل کرانے میں انھیں پندرہ منٹ لگ گئے... انھیں ایک کمرے میں بٹھا دیا گیا... اور بتایا گیا کہ ڈاکٹر صاحب زخمی کی حالت کا جائزہ لے کر انھیں جانے کی اجازت دیں گے، آخر بیس منٹ بعد کہیں جا کر ڈاکٹر صاحب کی صورت دکھائی دی: ''اس مریض کو آپ لوگ لائے ہیں؟''

''جی ہاں... بالکل! اس میں کوئی شک نہیں۔'' فاروق نے فوراً کہا۔

''کہاں سے لائے ہیں؟'' ''جنگل میں بے ہوش پڑا تھا... ہم اُٹھا لائے۔''

''ہوں! آپ کو پولیس کی موجودگی میں اپنا بیان لکھوانا پڑے گا، دوسرے یہ کہ یہ ایک پرائیویٹ ہسپتال ہے، اخراجات کا کیا ہوگا۔''

''وہ ہم خود ادا کریں گے، اس کے ہوش میں آنے پر ہی اس کے بارے میں کچھ معلوم ہو سکے گا، آیا یہ اخراجات ادا کرنے کے قابل ہے بھی یا نہیں... ہوگا تو آپ اس سے وصول کر لیں گے۔''

''ہوں ٹھیک ہے... میں انسپکٹر صاحب کو فون کر چکا ہوں... وہ آتے ہی ہوں گے۔''

''آخر پولیس کو بلانے کی کیا ضرورت تھی؟''

''اس قسم کا زخمی ہم پولیس کو اطلاع دیے بغیر ہسپتال میں داخل نہیں کر سکتے۔'' ڈاکٹر صاحب بولے۔

''کس قسم کا... آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔'' فرزانہ اُلجھ کر بولی۔

''اس مریض کے جسم میں تقریباً نو گولیاں موجود ہیں، لیکن سب کی سب ایسی جگہ لگی ہیں کہ موت فوری واقع نہیں ہو سکتی تھی، تاہم اگر اسے خون نہ دیا گیا تو بچ وہ اب بھی نہیں سکے گا۔'' ''کیا کہا... نو گولیاں۔'' محمود چلا اُٹھا۔

''وہ دھک سے رہ گئے... اسی وقت انھوں نے ایک پولیس انسپکٹر کو کمرے میں داخل ہوتے دیکھا۔ (جاری ہے)

زخمی

اشتیاق احمد

قسط نمبر 3

انسپکٹر جمشید گھر جانے کے لیے اُٹھے ہی تھے کہ فون کی گھنٹی بج اُٹھی... انھوں نے ریسیور اُٹھایا اور بولے:

''ہیلو... کون صاحب؟''

''جمشید... فوراً میرے پاس آؤ'' دوسری طرف سے گھبرائے ہوئے انداز میں آئی جی شیخ نثار احمد نے کہا۔

''بہت بہتر سر!'' انھوں نے کہا اور ریسیور رکھ کر باہر کی طرف لپکے۔

''خیر تو ہے سر!'' اکرام نے پریشان ہو کر کہا۔

''پتا نہیں... شیخ صاحب نے بلایا ہے۔''

وہ شیخ صاحب کے دفتر کے دروازے پر پہنچے ہی تھے کہ انھیں اور خان صاحب کو کار میں بیٹھے پایا:

''جلدی سے بیٹھ جاؤ جمشید۔''

''یا الٰہی خیر۔'' انھوں نے کہا اور بیٹھ گئے۔ کار فوراً چل پڑی۔

''خیر تو ہے سر؟''

''ابھی کچھ نہیں کہا جا سکتا... وہاں پہنچ کر ہی پتا چلے گا۔''

''کہاں۔'' وہ بولے۔

''اس معاملے کو مکمل طور پر راز میں رکھا جا رہا ہے جمشید... چند دنوں سے صدرِ مملکت کی طبیعت بہت خراب تھی... ڈاکٹر صاحبان نے انھیں ایک پُر فضا مقام پر جانے کا مشورہ دیا... وہ اپنی ذاتی رہائش گاہ پر چلے گئے جو دارالحکومت سے نزدیک ہی ہے... ان کے ڈاکٹر اور باڈی گارڈ بھی ساتھ گئے تھے... ابھی ابھی وہاں سے فون موصول ہوا ہے کہ صدر صاحب پر قاتلانہ حملہ کیا گیا ہے۔''

''جی!!!'' انسپکٹر جمشید بھونچکے رہ گئے۔

''ہاں جمشید... تفصیلات فون پر نہیں بتائی گئیں... ہمیں وہاں پہنچ کر ہی معلوم ہو سکے گا... بہر حال انھوں نے خاص طور پر تمھیں بلایا ہے۔'' آئی جی صاحب بولے۔

''اللہ اپنا رحم فرمائے... یہ ضرور کسی سازش کا نتیجہ ہے۔''

''ہاں! اس کے سوا کیا کہا جا سکتا ہے... ملک کے حالات آج کل یوں بھی بہت خراب ہیں، ملک دشمن عناصر نے سر اُٹھا رکھا ہے، ان کا سر کچلنا ضروری ہے... اور صدر صاحب نے گزشتہ چند ماہ سے اس طرف خاص توجہ دینا شروع کر

رکھی تھی، لیکن پھر اچانک ان کی طبیعت خراب ہوگئی... اور انھیں ذاتی رہائش گاہ جانا پڑا... گویا ایک طرح سے ملک دشمن عناصر کے خلاف مہم درمیان میں رہ گئی ہے۔"

"اوہ... کیا یہ حملہ اسی سلسلے میں کیا گیا ہے۔"

"کم از کم ہمارا خیال یہی ہے... باقی حالات وہاں جا کر ہی سامنے آئیں گے۔"

"ہوں۔" وہ بولے۔

ڈیڑھ گھنٹے بعد وہ رہائش گاہ میں داخل ہوئے... باڈی گارڈوں نے انھیں صدر صاحب تک پہنچایا، وہاں ڈاکٹروں کی پوری ٹیم موجود تھی اور صدر صاحب کی پیشانی پر پٹی بندھی تھی۔

"اُف خدا... یہ کیا ہوا؟" آئی جی بولے۔

"آیئے... آیئے... فکر مند ہونے کی کوئی بات نہیں... میں بال بال بچا ہوں... گولی میری پیشانی کو چھوتی ہوئی گزر گئی، اندر نہیں گھس سکی... میں اس وقت باغیچے میں ٹہل رہا تھا، جب حملہ کیا گیا... اتفاق سے اس وقت کوئی باڈی گارڈ بھی میرے آس پاس موجود نہیں تھا... بس اچانک فائر ہوا اور میں گر پڑا... میں حملہ آور کو بھی نہ دیکھ سکا... باڈی گارڈ گولی کی آواز سن کر دوڑے... لیکن ان کے آنے سے پہلے ہی حملہ آور نہ جانے کہاں کا کہاں جا چکا تھا، مطلب یہ کہ اسے کوئی بھی نہیں دیکھ سکا۔"

"تو کیا دوڑتے قدموں کی آواز بھی نہیں سنی گئی؟" انسپکٹر جمشید حیران ہو کر بولے۔

"ہاں ضرور... دوڑتے قدموں کی آواز میں نے گولی چلنے کے فوراً بعد سنی تھی اور اس کے چند لمحوں بعد باڈی گارڈوں کے قدموں کی آواز سنی گئی... میں بے ہوش نہیں ہوا تھا... زخم ہی معمولی سا آیا تھا... لہٰذا قدموں کی آواز بخوبی سن سکتا تھا۔" انھوں نے کہا۔

"تو کیا آپ یہ بات یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ آپ نے حملہ آور کے دوڑنے کی آواز سنی تھی۔"

"ہاں بالکل۔" انھوں نے کہا۔

"میرا مطلب یہ ہے سر... کہیں آپ نے پہلے جو آواز سنی، وہ بھی باڈی گارڈوں کی نہ ہو۔"

"نہیں... ایک آدمی کے دوڑنے کی آواز اور ہوتی ہے اور کئی آدمیوں کے دوڑنے کی اور... باڈی گارڈ سب ایک ساتھ دوڑ پڑے تھے۔"

"لیکن وہ آپ کے آس پاس کیوں نہیں تھے؟" انھوں نے پوچھا۔

"اس لیے کہ میں کم از کم ٹہلتے وقت باڈی گارڈوں کی موجودگی برداشت نہیں کر سکتا۔"

"ہوں! دراصل میں یہ سوچ رہا تھا... کہیں حملہ آور اندر کا ہی تو کوئی آدمی نہیں تھا اور اسے سرے سے بھاگنے کی

ضرورت ہی نہیں تھی۔"

"نہیں بھئی... ایسی کوئی بات نہیں... حملہ آور باڈی گارڈوں کے دوڑ پڑنے سے پہلے ہی بھاگ نکلا تھا۔"

"خیر... میں اس سلسلے میں تفتیش شروع کر دیتا ہوں... سب سے پہلے میں اس جگہ کا معائنہ کروں گا جس جگہ آپ ٹہل رہے تھے اور جس سمت سے گولی آئی تھی۔"

"جوجو... انسپکٹر صاحب کو ساتھ لے جاؤ۔" صدر صاحب نے اپنے پیروں کی طرف کھڑے ایک باڈی گارڈ سے کہا۔

"او کے سر!"

وہ باغیچے میں پہنچے... آئی جی صاحبان صدر صاحب کے پاس ہی بیٹھے رہے... باغیچے کے عین درمیان میں پہنچ کر جوجو نے کہا:

"صدر صاحب اس جگہ ٹہل رہے تھے اور گولی اس طرف سے آئی تھی۔"

انھوں نے باغیچے کا جائزہ لیا... چار دیواری کافی اونچی تھی... جس طرف جوجو نے اشارہ کیا، وہاں چار دیواری کے ساتھ ساتھ بلند و بالا درخت تھے۔

"اور آپ لوگ کہاں تھے؟"

"باغیچے سے باہر، ٹہلتے وقت صدر صاحب کسی کی موجودگی برداشت نہیں کرتے۔"

"تو کیا، اس چار دیواری کے باہر پہرہ نہیں تھا۔"

"جی ہاں... بالکل تھا۔"

"تب پھر کوئی شخص چار دیواری پر کیونکر چڑھ گیا، نہ صرف چڑھ گیا... بلکہ اس نے ایک فائر بھی کیا اور فرار ہونے میں بھی کامیاب ہو گیا۔"

"اس کا جواب یہ ہے... دیوار کے دوسری طرف جو پہرے دار موجود تھا... وہ بے ہوش ملا ہے۔"

"کیا کہا... بے ہوش ملا ہے۔"

"جی ہاں! اسی جگہ سے وہ چار دیواری پر پہنچا... فائر کیا اور نیچے کود کر فرار ہو گیا۔"

"لیکن اس نے نیچے کھڑے پہرے دار کو بے ہوش کس طرح کیا؟" انسپکٹر جمشید نے حیران ہو کر کہا۔ "یہ پوری رہائش گاہ گھنے درختوں کے درمیان گھری ہے... کوئی شخص درختوں کی اوٹ لیتا ہوا چار دیواری تک پہنچا تھا اور ایک درخت کے ذریعے دیوار پر پہنچا... فائر کیا اور اوپر سے ہی چھلانگ لگا دی اور غائب ہو گیا... غائب ہونے کے لیے بھی اس نے انھی درختوں کا سہارا لیا۔"

”ہوں! اب میں سمجھ گیا، لیکن پھر یہ بات رہ گئی کہ اس نے پہرے دار کو بے ہوش کس طرح کیا؟“

”ایک بڑے سے پتھر کے ذریعے... پہرے دار کے سر پر وہ پتھر لگا اور وہ آواز پیدا کیے بغیر ہی زمین پر ڈھیر ہو گیا۔“

”ہوں! میں اس سے ملنا چاہتا ہوں۔“ انسپکٹر جمشید بولے۔

”ضرور آیئے... ایک ڈاکٹر اس کی بھی دیکھ بھال کر رہے ہیں۔“

باڈی گارڈ انھیں لے کر ایک کمرے تک آیا... دروازے پر بھی ایک باڈی گارڈ تعینات تھا۔

”اکرم خان کا کیا حال ہے؟“

”ہوش میں آچکا ہے۔“

”ہوں... آیئے جناب۔“

وہ اس کے ساتھ اندر داخل ہوئے... ایک بستر پر اکرم خان لیٹا تھا، اس کے سر پر بھی پٹی بندھی تھی... اس کے سرہانے کی طرف کرسی پر ایک ڈاکٹر بیٹھا تھا۔

”اکرم خان... یہ انسپکٹر جمشید ہیں، تم سے کچھ سوالات کرنا چاہتے ہیں۔“

”جی فرمایئے۔“

”کیا آپ حملہ آور کو دیکھ سکے تھے؟“

”بے ہوش ہوتے ہوتے میں نے اس کی ایک جھلک ضرور دیکھ لی تھی۔“ (جاری ہے)

زخمی

اشتیاق احمد

قسط نمبر 4

''بہت خوب! اس کا حلیہ کیا تھا؟''

''لمبا چوڑا قد... سڈول جسم... اور سرخ و سفید رنگ... بس میں اسی قدر دیکھ سکا تھا کہ بے ہوش ہو گیا۔''

''تو اس نے پتھر آپ کے سر پر مارا تھا۔''

''ہاں! مجھے احساس ہی نہیں ہو سکا کہ کب پتھر آیا اور کب لگا۔''

''حیرت ہے... اس نے اتنا بڑا خطرہ مول لیا، اگر نشانہ چوک جاتا تو وہ مارا گیا تھا نا۔''

''شاید وہ کوئی بہت ماہر نشانے باز تھا اور اسے اپنے نشانے پر زبردست اعتماد ہو گا۔'' اکرم خان نے کہا۔

''ہاں! یہی بات معلوم ہوتی ہے۔'' یہ کہہ کر وہ ڈاکٹر صاحب کی طرف مڑے:

''ان کے زخم کی کیا کیفیت ہے جناب؟''

''زیادہ گہرا نہیں ہے... اور خطرناک بھی نہیں ہے۔'' ڈاکٹر نے جواب دیا۔

''اور وہ پتھر کہاں ہے... جو مارا گیا۔''

''وہ اس طرف رکھا ہے... ایک ٹرے میں۔'' جو نے ان کی توجہ کمرے کے ایک کونے کی طرف دلائی... وہاں ایک چھوٹی سی میز پر ایک ٹرے رکھی تھی، ٹرے میں ایک پتھر موجود تھا... بڑے سائز کے آم جتنا بڑا... جو نوک دار بھی تھا... اس پر خون بھی لگا ہوا تھا:

''کیا اس پتھر کا نوک دار حصہ اکرم خان کے سر پر لگا ہے؟'' انھوں نے ڈاکٹر سے پوچھا۔

''جی نہیں... پچھلا حصہ۔''

''شکریہ جناب... مجھے بس یہی سوالات کرنے تھے... اب میں چلوں گا، آیئے مسٹر جو جو۔''

وہ پھر صدر صاحب والے کمرے میں آئے:

''کیوں جمشید... کچھ معلوم ہوا؟''

''میں کوشش کر رہا ہوں سر... آپ مطمئن رہیں، حملہ آور میرے ہاتھ سے بچ نہیں سکتا۔''

''حملہ آور... لیکن ہم حملہ آور کو گرفتار کر کے کیا کریں گے۔'' صدر صاحب نے حیران ہو کر کہا۔

''جی! کیا مطلب؟'' انسپکٹر جمشید حیران رہ گئے۔

"میں تو یہ جاننا چاہتا ہوں کہ یہ سازش کس کی ہے؟"

"جی ہاں... بالکل ٹھیک... یہ جاننے کے لیے ہمیں پہلے حملہ آور کو گرفتار کرنا ہوگا۔"

"خیر... تم جانو... تمہارا کام۔"

"اب میں آپ سے کچھ سوالات کروں گا۔"

"ضرور کیوں نہیں... کیا آپ کو شک ہے کہ اپنے خلاف میں نے خود سازش کی ہے۔" صدر صاحب مسکرائے۔

"ارے نہیں! میری توبہ۔" انسپکٹر جمشید نے فوراً کہا، پھر سنجیدہ لہجے میں بولے:

"کیا آپ کے یہاں آنے کا پروگرام اچانک طے ہوا تھا؟"

"ہاں! اچانک ہی سمجھ لیں، کیونکہ طبیعت بھی اچانک ہی خراب ہوئی تھی۔"

"کیا مطلب بہت زیادہ خراب ہوگئی تھی؟"

"ہاں! بہت زیادہ... معدے میں عجیب قسم کی گرانی محسوس ہونے لگی تھی، ڈاکٹر صاحب نے مشورہ دیا کہ میں یہاں چلا آؤں۔" انھوں نے بتایا۔

"گویا پہلے سے یہاں آنے کا پروگرام نہیں تھا۔"

"نہیں!"

"تب پھر سازش بھی اچانک تیار کی گئی... اور حملہ بھی اچانک ہی کیا گیا... پہلے منصوبہ بندی نہیں کی گئی۔"

"ہوسکتا ہے یہی بات ہو، لیکن ان باتوں سے بھلا ہمیں کیا فائدہ پہنچ سکتا ہے۔"

"سر! ہر قسم کی معلومات حاصل کرنا پڑتی ہیں اور پھر ان کے ذریعے سے نتیجہ نکالا جاتا ہے... بہر حال آپ بے فکر رہیں، میں اس سازش کی تہ تک پہنچ کر رہوں گا۔"

"شکریہ

جمشید، مجھے آپ سے یہی اُمید ہے۔" انھوں نے کہا۔

"ڈاکٹر صاحب! میں آپ سے بھی چند سوالات کرنا چاہوں گا، لیکن یہاں نہیں... باہر چل کر۔" انھوں نے ڈاکٹر رحمانی سے کہا۔

"ضرور... کیوں نہیں۔" وہ اُٹھ کھڑے ہوئے۔

دونوں باہر نکلے:

"یہ معدے کی گرانی والا کیا معاملہ ہے؟"

"ان کے معدے میں تیزابیت بہت ہوگئی ہے۔" ڈاکٹر رحمانی نے جواب دیا۔

"تو کیا اس کے علاج کے لیے یہاں لانا ضروری تھا؟"

"جی ہاں! بعض اوقات تیزابیت ذہنی پریشانیوں کی وجہ سے بھی ہو جاتی ہے... اس لیے میں نے یہی مناسب خیال کیا کہ چند دنوں کے لیے انھیں ذہنی اُلجھنوں سے بھی نجات مل جائے... ایوانِ صدر میں رہتے ہوئے تو اُلجھنیں پیچھا نہیں چھوڑ سکتی تھیں۔"

"ہوں! آپ کا خیال بھی ٹھیک ہے... اچھا یہ بتایئے... کسی شخص کے سر پر اگر پتھر مارا جائے... تو کیا اس پتھر پر خون لگ جاتا ہے... جب کہ پتھر صرف ایک بار مارا گیا ہو۔"

"نہیں... خون تو چند لمحوں بعد ہی نکلتا ہے۔" ڈاکٹر رحمانی بولے۔

"تب پھر... جو پتھر اکرم خان کے سر پر مارا گیا... اس پر خون کیوں لگا ہوا ہے؟"

"اوہ!" ڈاکٹر رحمانی کے منہ سے نکلا۔

وہ دھک سے رہ گئے... منہ کھلا کا کھلا رہ گیا:

"اکرم خان کو حراست میں لیا جانا بہت ضروری ہے۔" یہ کہہ کر انسپکٹر جمشید اس کمرے کی طرف دوڑ پڑے۔ جس میں اکرم خان لیٹا ہوا تھا۔ ڈاکٹر رحمانی بھی ان کے پیچھے دوڑ پڑے۔ (جاری ہے)

زخمی

اشتیاق احمد

قسط نمبر 5

''آیئے انسپکٹر صاحب... مجھے آپ ہی کا انتظار تھا۔''

''معلوم ہوتا ہے، کوئی خاص معاملہ پیش آگیا ہے...'' پولیس انسپکٹر نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''جی ہاں! خاص ہی سمجھئے... پہلے تو آپ ان تینوں سے ملیے... اوہو... نام تو خود میں نے بھی ابھی ان سے نہیں پوچھے... ہاں بھئی، اپنا تعارف خود ہی کرا دیجیے۔''

''ضرور... کیوں نہیں... میں محمود ہوں، یہ فاروق اور فرزانہ ہیں۔''

''اور یہ انسپکٹر سجاد ہیں... اب میں عرض کرتا ہوں جناب... یہ تینوں
ایک زخمی کو لائے ہیں، اس کے جسم میں نو گولیاں لگی ہیں۔''

''کیا کہا نو گولیاں... تب تو وہ مر گیا ہوگا... تو یہ خود ہی اس کے قاتل ہیں، بھئی، یہ تو بہت مزے کی بات ہوگئی۔''

''آپ غلط سمجھ رہے ہیں جناب! اول تو وہ ابھی مرا نہیں، دوسرے یہ کہ اسے ہم نے گولیاں نہیں ماریں، ہمیں تو وہ بے ہوش حالت میں ملا تھا، ہم اسے اٹھا کر یہاں لے آئے۔''

''ہر قاتل ایسی ہی باتیں بتایا کرتا ہے... خیر... میں دیکھوں گا کہ یہ کیا معاملہ ہے... ہاں تو ڈاکٹر صاحب... آپ کیا کہتے ہیں۔''

''زخمی کو خون کی بہت ضرورت ہے... پہلے تو مجھے خون دینے کا بندوبست کرنا ہے۔''

''ہوں! تو میں ان لوگوں کو اپنے ساتھ تھانے لے جاتا ہوں، وہیں ان کا بیان لوں گا...''

''جی بہتر!'' ڈاکٹر نے کہا اور کمرے سے نکل گیا۔

''آؤ بھئی چلیں...'' انسپکٹر ان سے بولا۔

''بہتر ہوگا... پہلے آپ ساری بات سن لیں...'' محمود نے تیز لہجے میں کہا۔

''فکر نہ کرو... میں ساری بات سنوں گا، لیکن یہاں نہیں... تھانے میں۔''

''جیسے آپ کی مرضی...'' فاروق نے کندھے اچکائے۔

عین اسی وقت ایک کانسٹیبل اندر داخل ہوا، اس کے چہرے پر جوش کے آثار تھے:

''کیا بات ہے کامل خان۔''

''ہم نے میدان مار لیا سر...'' وہ مسرت سے بھرپور لہجے میں بولا۔

''میدان مار لیا... اُلو! ہم یہاں میدان مارنے نہیں، ڈاکٹر صاحب کے بلانے پر آئے تھے...'' انسپکٹر سجاد نے منہ بنایا۔

''آپ سمجھے نہیں سر!''

''اچھا تو پھر... تم سمجھا دو...'' اس نے اور بھی تلملا کر کہا۔

''ہسپتال سے باہر نیلے رنگ کی جو کار کھڑی ہے... وہ اپنے ملک صاحب کی ہے، جس کی تلاش میں اس وقت سارے شہر کی پولیس ماری ماری پھر رہی ہے۔''

''کیا کہا... ملک صاحب کی کار...'' انسپکٹر صاحب چلا اٹھے اور باہر کی طرف دوڑ پڑے... کانسٹیبل نے بھی اس کا ساتھ دیا۔

''اور کرو نیکی...'' فاروق نے منہ بنایا۔

''گھر میں ہمارا بہت بے چینی سے انتظار شروع ہو چکا ہوگا۔''

''اللہ مالک ہے...'' فرزانہ بڑبڑائی۔

''ہاں! اس میں کیا شک ہے، مالک تو وہی ہے۔''

''آؤ پھر ہم بھی باہر چل کر دیکھیں... ملک صاحب کی کون سی کار ہے۔''

''کہیں یہ وہی کار نہ ہو... جس پر ہم زخمی کو لے کر آئے ہیں۔''

''اگر ہو بھی تو ہم کیا کر سکتے ہیں... کار ہم نے نہیں، ان حملہ آوروں نے چرائی ہوگی، جنہوں نے اس زخمی کو گولیاں ماری ہیں۔''

''کیوں نہ ہم نکل

چلیں، موقع اچھا ہے...'' فاروق نے تجویز پیش کی۔

''نہیں! اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا... اب اس معاملے کو بھگت کر ہی جائیں گے...'' فرزانہ نے نفی میں سر ہلایا۔

آخر تینوں باہر نکل آئے اور یہ دیکھ کر چونک اٹھے کہ پولیس والے اسی کار کے گرد جمع تھے جس میں وہ آئے تھے...

انہوں نے سنا، انسپکٹر سجاد کانسٹیبلوں سے کہہ رہا تھا:

''اندر جا کر معلوم کرو، اس کار پر کون آیا ہے...''

''اندر جانے کی ضرورت نہیں جناب... اس کار پر ہم آئے ہیں، زخمی کو لانے کے لیے ہمیں اس کار کی ضرورت پڑی تھی۔''

''تو یہ کار تم نے چرائی تھی... اب تو تمہارا جرم اور بھی سنگین ہو گیا ہے۔''

''جی نہیں! ایسی کوئی بات نہیں... آپ پھر غلط سمجھے... درست سمجھ بھی کس طرح سکتے ہیں... آپ نے ابھی حالات تو سنے ہی نہیں...'' فاروق نے بُرا سامنہ بنایا۔

''کامل خان... ملک صاحب کو فون کر دو کہ ہم نے ان کی کار تلاش کر لی ہے۔''

''جی بہتر! میں ابھی فون کرتا ہوں...'' یہ کہہ کر کامل خان اندر چلا گیا... اسی وقت ڈاکٹر صاحب باہر آتے نظر آئے:

''لیجیے ڈاکٹر صاحب... یہ لوگ تو چھپے رستم نکلے... اپنے ملک صاحب کی کار انہوں نے ہی چرائی تھی...'' انسپکٹر سجاد بول اٹھا۔

''ارے!'' ڈاکٹر صاحب دھک سے رہ گئے۔

''یہ غلط ہے... ہم نے کار نہیں چرائی... ہاں! ہم اس کے ذریعے زخمی کو ضرور لائے ہیں، ایسا کیوں ہوا، ہمارا بیان سن لیں، آپ کو معلوم ہو جائے گا۔''

''تمہارا بیان بھی ضرور سنا جائے گا، فکر نہ کرو، لیکن تم کچھ بھی بیان دو، بچ نہیں سکتے... انسپکٹر سجاد نے تو بڑے بڑوں کو سیدھا کر دیا ہے، تم تو ہو کیا... کیوں ڈاکٹر صاحب...'' انسپکٹر نے فخریہ انداز میں کہا۔

''اس میں کیا شک ہے جناب۔''

''اتنے میں کامل خان آتا نظر آیا... اس کا چہرہ دمک رہا تھا:

''ملک صاحب نے ہمیں شاباش دی ہے جناب... ان کا کہنا ہے کہ ہم لوگوں کی ترقی ہو کر رہے گی اور ان کی طرف سے جو انعام ملے گا، وہ الگ رہا... دوسرے یہ کہ وہ یہیں آ رہے ہیں۔''

''یہیں آ رہے ہیں... بہت خوب! یہ اور بھی اچھی بات ہے۔''

''یہ ملک صاحب کون ذات شریف ہیں جناب؟'' محمود نے پوچھا۔

''ارے تم ملک صاحب کو بھی نہیں جانتے۔''

''جی نہیں! اس لیے کہ ہم تو سیدھے دارالحکومت سے چلے آ رہے ہیں۔''

''تو ملک صاحب بھی تو دارالحکومت کے رہنے والے ہیں... یہاں تو ان کی آبائی زمین ہے اور آج کل وہ یہیں آئے ہوئے ہیں۔''

''ان کا نام کیا ہے؟'' محمود حیران ہو کر بولا۔

''ملک دلمیر۔''

وہ حیران رہ گئے... ان دنوں ملک دلمیر کی شہرت پورے ملک میں پھیلی ہوئی تھی... سننے میں آیا تھا کہ وہ بہت بڑا آدمی ہے، کئی ملوں اور کارخانوں کا مالک ہے... بے تحاشہ زمین اور جائیداد کا مالک ہے... اور اس کے تعلقات بڑے بڑے

لوگوں سے سننے میں آئے تھے... اور اس شخص کی کار میں وہ زخمی کو لے آئے تھے:

"کیوں کیا ہوا... ملک دلمیر کا نام سن کر سناٹے میں کیوں آ گئے..." انسپکٹر سجاد ہنسا۔

"سناٹے میں تو نہیں، ہاں ہمیں حیرت ضرور ہوئی ہے... آخر ان کی کار میں وہ غنڈے کس طرح سوار تھے۔"

"کون سے غنڈے۔"

"وہی... جنہوں نے اس شخص کو زخمی کیا ہے۔"

"ادھر ادھر کی نہ ہانکو... ہم سچ اگلوانا جانتے ہیں۔"

"اور ہمیں جھوٹ بولنا آتا ہی نہیں..." فرزانہ نے منہ بنا کر کہا۔

"ملک صاحب کے آنے تک ہم کوئی فیصلہ نہیں کر سکتے، اب جو کچھ ہوگا، انہی کے حکم سے ہوگا۔"

"اچھی بات ہے..." محمود تلملا اٹھا۔

اتنے میں ایک لمبی سی زرد رنگ کی کار ہسپتال کے احاطے میں داخل ہوتی نظر آئی... انسپکٹر سجاد پکار اٹھے:

"ملک صاحب آ گئے۔"

تمام پولیس والے زرد کار کی طرف دوڑے... ڈاکٹر نے بھی ان کا ساتھ دیا... اس وقت ہسپتال کا جتنا عملہ احاطے میں موجود تھا... وہ بھی سب کا سب زرد کار کی طرف دوڑ پڑا... بس وہ تینوں نیلی کار کے پاس کھڑے رہ گئے:

"یہ ملک صاحب ہیں یا ملک کے صدر صاحب۔" محمود حیران ہو کر بولا۔

"مجھے تو یہ صدر صاحب سے بھی اونچی چیز نظر آتے ہیں۔"

زرد کار کے دونوں طرف لوگ کھڑے ہو گئے، پھر ملک صاحب کے ڈرائیور نے ان کے لیے کار کا دروازہ کھولا، وہ باہر نکل کر لوگوں کے سلام کا جواب ہاتھ کے اشارے سے دیتے ہوئے ان کے درمیان سے گزر کر نیلی کار کی طرف بڑھنے لگے... انسپکٹر سجاد پر جوش انداز میں کار دریافت کرنے کی تفصیل سنا رہا تھے... یہاں تک کہ ملک صاحب نیلی کار کے پاس آ کر کھڑے ہو گئے... ان کی نظریں ان تینوں پر جم گئیں... باقی سب لوگ اب ان کے چاروں طرف جمع ہو چکے تھے:

"تو کار انہوں نے چرائی تھی۔"

"اس وقت تک کے حالات تو یہی کہہ رہے ہیں۔"

"تو پھر انہیں فوری طور پر حوالات کی سلاخوں کے پیچھے ہونا چاہیے... ارے ہاں... میں نے کار کی تلاشی تو لی ہی نہیں... اصلی پریشانی کار کی نہیں تھی... کار میں رکھے ہیروں اور جواہرات کی تھی اور یہ بات میں پہلی بار بتا رہا ہوں... کار کی چوری کی اطلاع دیتے وقت بھی میں نے یہ بات کسی کو نہیں بتائی تھی۔"

"اوہ!" کئی خوف زدہ آوازیں ابھریں... انسپکٹر سجاد کا تو رنگ ہی اڑ گیا، شاید وہ سوچ رہا تھا کہ اگر ہیرے جواہرات غائب ہو گئے تو ترقی کا موقع خاک میں مل جائے گا۔"

ملک صاحب نے چابی کے ذریعے کار کا ایک خانہ کھولا، ظاہر ہے، ان کے پاس دوسری چابی تھی... خانہ کھل گیا... انہوں نے خانے میں ہاتھ ڈال کر جواہرات کا بکس نکالا... بکس کھولتے ہی لوگوں کی آنکھیں چکا چوند ہو گئیں۔ (جاری ہے)

زخمی

اشتیاق احمد

قسط نمبر 6

"ویری گڈ... تمام چیزیں موجود ہیں، اس کا مطلب ہے، چور حضرات اس خانے کو نہیں کھول سکے... کھول بھی کس طرح سکتے تھے، یہ خانہ تو میں نے خاص طور پر لگوایا ہے کار میں... انسپکٹر صاحب آپ کی ترقی پکی... آپ کے ماتحتوں کی بھی پکی... اپنا انعام کل کسی وقت کوٹھی پر آ کر لے لیجیے گا... اور ہاں... یہ لوگ رہا نہ ہونے پائیں... ان کی ضمانت کسی طرح بھی نہ ہو۔"

"آپ فکر نہ کریں... ضمانت نہیں ہو سکے گی... جب تک کہ آپ نہ چاہیں گے۔"

"اور میں ہرگز نہیں چاہوں گا۔"

یہ کہہ کر ملک صاحب زرد کار کی طرف مڑ گئے، پھر رک کر بولے:

"میرا دوسرا ڈرائیور آ کر کار لے جائے گا۔"

"بے فکر رہیں سر... اب کار کہیں نہیں جائے گی۔"

"اچھا شکریہ!"

ملک صاحب چلے گئے... لوگ اپنے اپنے کاموں کی طرف متوجہ ہو گئے... اور انسپکٹر سجاد ان کی طرف مڑا:

"چلو بھئی... بیٹھو جیپ میں، اتنی مہربانی میں تم پر کروں گا کہ یہیں سے ہتھکڑیاں پہنا کر نہیں لے جاؤں گا۔"

"بہتر ہوتا کہ آپ واقعات کی تفصیل یہیں سن لیتے، اس کے بعد شاید آپ ہمیں تھانے لے جانے کی ضرورت ہی محسوس نہ کرتے۔"

"اب یہ نہیں ہو سکتا، ملک صاحب تم لوگوں کے بارے میں حکم دے چکے ہیں، حوالات میں تو تمہیں رکھنا ہی ہو گا اور وہاں سے جیل بھیجا جائے گا۔"

"چاہے ہم نے کوئی جرم نہ کیا ہو۔" محمود حیران ہو کر بولا۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ تم لوگوں نے کوئی جرم نہ کیا ہو، تمہارا جرم تو ثابت ہے۔" انسپکٹر سجاد نے کہا۔

"وہ کس طرح؟" محمود تیز لہجے میں بولا۔

"اس طرح کہ ملک دلمیر کی کار تمہارے قبضے سے ہم نے برآمد کی ہے... دوسرے یہ کہ ملک دلمیر کا حکم یہ ہے کہ تم لوگوں کو جیل بھجوایا جائے۔"

"تو یہ ہمارے مجرم ہونے کی دلیل ہے۔"

"ہاں بالکل۔"

"اچھا جیسے آپ کی مرضی... ہم تو صرف اتنا کہیں گے کہ جو قدم بھی اٹھائیں، سوچ سمجھ کر اٹھائیں۔"

"مجھے سوچنے اور سمجھنے کی کیا ضرورت ہے، میرے لیے تو سوچنے کے لیے بس یہی بات کافی ہے کہ ملک دلمیر تم لوگوں کے بارے میں حکم

دے چکے ہیں۔"

انھیں جیپ میں بیٹھنا پڑا... پولیس والوں سے ہاتھا پائی کرنا ان کا اُصول نہیں تھا... آخر جیپ تھانے میں داخل ہوئی اور انسپکٹر سجاد انھیں دفتر میں لے آیا:

"اس طرف کھڑے ہو جاؤ اور اپنا بیان لکھواؤ، تم میں سے صرف ایک بولے گا، دستخط تم تینوں کے کرا لیے جائیں گے... یاد رہے جو بیان بھی تم لکھوا رہے ہو، تم سے اس کے سلسلے میں کوئی زبردستی نہیں کی جا رہی۔" انسپکٹر سجاد نے جلدی جلدی کہا۔

"جی بہتر! یاد رہے گی یہ بات۔" فاروق نے منہ بنایا۔

محمود نے بیان شروع کیا اور جو کچھ گزری تھی، کہہ سنائی... محرر بیان لکھتا چلا گیا، انسپکٹر سجاد بُرے بُرے منہ بناتا رہا... اس کا بیان ختم ہونے پر ان کے دستخط لے لیے گئے، نیچے انسپکٹر سجاد نے اپنا بیان لکھا جس میں ملک دلمیر کی کار کا ذکر کیا گیا تھا اور اس کے بعد کانسٹیبل سے کہا:

"کامل خان... ان تینوں کو حوالات میں بند کر دو۔"

"کیا ہمارا بیان سننے کے بعد بھی آپ ہمیں حوالات میں بند کریں گے... جب کہ ہم نے انسانی تقاضا پورا کیا ہے... اگر ہم اسے زخمی حالت میں چھوڑ کر اپنا راستہ لیتے تو اس وقت اپنے گھر بیٹھے ہوتے اور وہ مر چکا ہوتا یا مارا جا چکا ہوتا... آپ یہ کیوں نہیں سوچتے۔" فاروق نے جلے کٹے لہجے میں کہا۔

"میں یہ سب کچھ ضرور سوچتا، اگر ملک صاحب کی کار تم لوگوں کے پاس سے نہ ملتی۔"

"ہم لکھوا چکے ہیں... وہ کار مجرموں کے قبضے میں تھی... زخمی کو ان کے پنجے سے بچانے کے لیے ہمیں اس کار کو استعمال کرنا پڑا، یہ جرم کس طرح ہو گیا۔"

"اب اس کا فیصلہ تو عدالت کرے گی، مجھ سے بحث نہ کرو۔" اس نے تلملا کر کہا۔

محمود، فاروق اور فرزانہ کو بے تحاشہ غصہ آ رہا تھا، لیکن کر ہی کیا سکتے تھے... آخر فرزانہ نے کہا:

"تو آپ ہمارے ساتھ جنگل میں چل کر موقعے کا معائنہ کیوں نہیں کر لیتے، اگر ہم جھوٹے ہوں گے تو جنگل میں خون کے دھبے موجود نہیں ہوں گے۔"

"رات کے وقت کون وہاں جائے... صبح جا کر میں خود ہی دیکھ لوں گا۔" اس نے کندھے اُچکائے۔

"اچھا تو پھر ہمیں کسی وکیل کو فون کرنے کی اجازت دی جائے۔"

"اس وقت وکیل بھی نہیں ملے... صبح ہی فون کرنا ہے۔"

"گویا آپ ہمیں حوالات میں بھیج کر رہیں گے... خیر آپ کی مرضی... آپ اپنے لیے خود ہی مشکلات پیدا کر رہے ہیں... ہم یہ بتانے پر مجبور ہیں کہ ہم محمود، فاروق اور فرزانہ ہیں... انسپکٹر جمشید کے بچے۔" محمود نے بلند آواز میں کہا۔

"کیا!!!" انسپکٹر سجاد اُچھل پڑا۔

اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

☆

وہ دوڑتے ہوئے اس کمرے میں داخل ہوئے جس میں اکرم خان لیٹا تھا... وہ اب بھی اسی طرح لیٹا نظر آیا... ڈاکٹر اس کے پاس کرسی پر اسی طرح بیٹھے تھے۔

"خیر تو ہے سر!" اس ڈاکٹر نے اُٹھتے ہوئے کہا، اس کی نظریں ڈاکٹر رحمانی پر جمی تھیں۔

"پپ... پتھر۔" ڈاکٹر رحمانی ہکلائے۔

"جی سر... کیا فرمایا... پتھر۔"

"ہاں! وہ پتھر کہاں ہے... جو اکرم خان کے سر پر مارا گیا تھا؟"

"وہ رہا... اس طرف، لیکن سر بات کیا ہے؟"

"ایک منٹ ٹھہریے۔" انھوں نے کہا اور پتھر کی طرف بڑھ گئے، انسپکٹر جمشید تو پہلے ہی اس کے قریب جا کھڑے ہوئے تھے:

"ڈاکٹر صاحب... اسے ہاتھ نہ لگایئے گا... یہ دیکھیے... خون اس کے پچھلے حصے پر لگا ہوا ہے، لیکن آپ کا کہنا یہ ہے کہ پتھر پر خون نہیں ہونا چاہیے تھا۔"

"ہاں! میں نے غلط نہیں کہا تھا... پتھر لگتے ہی نیچے گرتا ہے، فوراً خون نہیں نکلتا، خون چند لمحوں بعد نکلتا ہے۔"

"تب پھر ہم اس پتھر پر خون کیوں دیکھ رہے ہیں۔"

"یہ بات واقعی عجیب ہے اور میری سمجھ سے باہر بھی ہے۔" ڈاکٹر رحمانی بولے۔

"خیر... آیئے۔" یہ کہہ کر وہ اکرم خان کی طرف مُڑے۔

"ڈاکٹر صاحب... اکرم خان کی پٹی آپ نے خود کی ہے؟"

"جی ہاں... بالکل۔" دوسرا ڈاکٹر بولا۔

''زخم زیادہ گہرا نہیں... یہی بتایا تھا نا آپ نے۔''

''جی ہاں، یہ بھی ٹھیک ہے۔''

''کیا میں اس زخم کو دیکھ سکتا ہوں؟'' انھوں نے کہا۔

''جی... کیا مطلب؟'' ڈاکٹر نے چونک کر کہا۔

''مطلب یہ کہ اس کی پٹی کھول دیجیے... میں زخم کو اپنی آنکھوں سے دیکھنا چاہتا ہوں۔''

''لیکن کیوں... آپ ایسا کیوں کرنا چاہتے ہیں۔'' ڈاکٹر نے حیران ہو کر کہا۔

''ڈاکٹر رحمانی صاحب آپ انھیں سمجھائیے۔''

''اوہ ہاں۔'' یہ کہہ کر ڈاکٹر رحمانی آگے بڑھے:

''بات یہ ہے ڈاکٹر صاحب، انسپکٹر صاحب کا خیال ہے... اکرم خان کے سر پر پتھر لگا ہی نہیں۔''

''کیا کہا... پتھر لگا ہی نہیں... اگر پتھر لگا ہی نہیں تو پھر سر پر زخم کس طرح آ گیا۔''

''یہی تو ہم دیکھنا چاہتے ہیں کہ جب پتھر اس کے سر پر نہیں لگا تو زخم کس طرح آ گیا۔''

''آپ کی باتیں میری سمجھ میں نہیں آ رہیں، بہر حال میں پٹی کھولے دیتا ہوں، لیکن اس طرح مریض کو تکلیف ہوگی... اور یہ آخر صدر صاحب کے باڈی گارڈ ہیں۔''

''اوہو... ڈاکٹر ہمدانی صاحب... یہ بات انسپکٹر جمشید صاحب کو بھی معلوم ہے... آپ پٹی کھول دیں۔'' ڈاکٹر رحمانی نے تنگ آ کر کہا۔

''جی بہتر!'' ڈاکٹر ہمدانی نے کہا اور اُٹھ کر پٹی کھولنے لگا۔

اکرم خان ہوش میں تھا... اس کے چہرے پر تکلیف کے آثار نمودار ہوئے... تاہم اس نے منہ سے کچھ نہ کہا... آخر پٹی کھل گئی اور زخم نظر آنے لگا... انسپکٹر جمشید زخم کے نزدیک ہو گئے اور بغور دیکھنے لگے:

''زخم واقعی گہرا نہیں... پتھر اگر نوک دار حصے کی طرف سے لگتا تو ضرور گہرا زخم آتا... مسٹر اکرم خان... کیا پتھر آپ پر پھینک کر مارا گیا تھا۔''

''جی... جی ہاں... بالکل۔''

''شکریہ... میں آپ کو حراست میں لے رہا ہوں، اب آپ کو ملٹری ہسپتال میں رہنا ہوگا... آپ کو کوئی اعتراض تو نہیں۔''

''یہ... یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں جناب۔'' اکرم خان بھونچکا رہ گیا۔

''افسوس! اس کے سوا کوئی چارہ نہیں... اس کی وجوہات دو ہیں... ایک تو یہ کہ پتھر پر خون نہیں لگا ہوا ہونا چاہیے تھا،

دوسرے یہ کہ اگر پتھر پھینک کر مارا گیا تھا تو پھر اسے نوکیلے حصے کی طرف سے سر پر لگنا چاہیے تھا... پھینکے جانے کی صورت میں پتھر وزنی سمت سے نہیں لگ سکتا تھا... ہم جب بھی ایک چاقو کو پھینک کر کسی دروازے پر مارتے ہیں... تو چاقو ہمیشہ نوک کی طرف سے لگتا ہے... اس لیے کہ نوک دار حصہ ہلکا ہوتا ہے اور اس کا پچھلا حصہ وزنی... گویا پتھر آپ کے سر پر پھینک کر نہیں مارا گیا، نزدیک سے مارا گیا... دوسرے یہ کہ پتھر مارنے کے بعد اس پر خون اُنگلی سے لگایا گیا، اس کے بعد آپ بے ہوش ہو کر گر گئے... اور حملہ آور اپنا کام کرنے کے لیے چاردیواری پر چڑھ گیا، گویا اس سازش میں آپ برابر کے حصے دار ہیں... اب کیا خیال ہے۔"

"نہیں نہیں... یہ غلط ہے۔" اکرم خان چلا اٹھا۔

(جاری ہے)

زخمی

اشتیاق احمد

قسط نمبر 7

''کیوں بھئی... غلط کس طرح... کیا میں یہ پتھر دوبارہ تمہارے سر پر مار کر تجربہ کروں۔'' انسپکٹر جمشید بولے۔

''نن... نہیں۔'' وہ ہکلایا۔

''اگر تم اقرار کرلو اور سازش کے بارے میں جتنا کچھ جانتے ہو، سب کچھ صاف صاف بتادو تو شاید تمہارے ساتھ نرم سلوک کیا جائے۔''

''مم... میں نے کچھ نہیں کیا... پتھر واقعی میرے سر پر پھینک کر مارا گیا تھا... خون اس پر میرے بے ہوش ہونے کے بعد لگایا گیا ہوگا... مجھے اس کا کچھ پتا نہیں۔''

''یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ پتھر پھینک کر مارا گیا ہو، لہٰذا میں آپ کو حراست میں لیتا ہوں... اور ہسپتال آکر آپ کا بیان قلم بند کروں گا... آیئے ڈاکٹر صاحب۔''

یہ کہہ کر وہ باہر نکل آئے... انسپکٹر جمشید نے پہلے اکرام کو فون کیا اور پھر صدر صاحب کے پاس آئے:

''سازش کا سرا ہاتھ آگیا ہے سر... بہت جلد میں تہہ تک پہنچ جاؤں گا۔''

''بہت خوب جمشید... ذرا ہم بھی تو سنیں... کیا سرا ہاتھ آگیا ہے۔''

انھوں نے اکرم خان، پتھر اور زخم کی تفصیل سنائی تو وہ سب حیرت زدہ رہ گئے۔

''یہ بات میرے حلق سے نہیں اُتر رہی کہ اکرم خان بھی سازش میں شریک ہوسکتا ہے۔''

''اس بات پر یقین کرنا ہی پڑتا ہے سر، اس لیے کہ اسے ساتھ ملائے بغیر کوئی چارہ نہیں تھا، کیونکہ اگر پتھر چوک جاتا تو سارا منصوبہ وہیں دھرا کا دھرا رہ جاتا... لہٰذا انھوں نے یہ انتظام کیا کہ پتھر چوک ہی نہ سکے اور اکرم خان کو ساتھ ملالیا۔''

''ہوں! تب پھر... اس سے اُگلوایا جائے۔''

''اب میں یہی کروں گا... اکرم خان کو ملٹری ہسپتال لے جارہا ہوں... تاکہ وہاں اس کی حفاظت بھی ہوتی رہے... ہوسکتا ہے، سازشی اسے قتل کرنے کی کوشش کریں۔''

''اوہ ہاں... یہ بھی ہوسکتا ہے۔''

جلد ہی اکرام وہاں پہنچ گیا... انسپکٹر جمشید نے اسے ہدایات دیں، اس سلسلے میں انھیں اس کے ساتھ باہر آنا پڑا:

''سر! گھر سے فون آیا تھا... بیگم صاحبہ نے بتایا ہے کہ محمود، فاروق اور فرزانہ اب تک سیر سے نہیں لوٹے۔''

''اوہو... اچھا!'' ان کے منہ سے نکلا، پھر بولے:

”خیر... تم اکرم خان کو تو لے کر چلو... پہلے یہ کام ضروری ہے، میں بھی ملٹری ہسپتال پہنچ رہا ہوں... اکرم خان کا بیان ٹیپ بھی کیا جائے گا اور تحریر بھی... اس کے علاوہ اس کے دماغ پر آلات بھی فٹ کیے جائیں گے... تاکہ وہ جھوٹ نہ بول سکے۔“

”جی بہتر!“

”میں ذرا

یہاں کے باقی لوگوں سے سوالات کرلوں۔“

یہ کہہ کر وہ بیرونی دروازے کی طرف مڑ گئے... ان کے چہرے پر اب فکر مندی کے آثار نمودار ہو چکے تھے... سوالات سے فارغ ہوکر وہ ملٹری ہسپتال پہنچے... اکرام انھیں اس کمرے کے دروازے پر ملا، جس میں اکرم خان کو رکھا گیا تھا:

”کیوں بھئی، کیا سب انتظامات مکمل ہو گئے؟“

”جی ہاں... بالکل۔“

”تو پھر آؤ۔“

دونوں اندر داخل ہوئے... اکرم خان پوری طرح ہوش میں تھا... آلات کا بٹن دبا دیا گیا اور غیر محسوس طور پر ان کا کام شروع ہو گیا... ایک منٹ تک انتظار کرنے کے بعد انسپکٹر جمشید بولے:

”مسٹر اکرم خان... اب ہم آپ کا باقاعدہ بیان لیں گے، اس بیان کو عدالت میں آپ کے خلاف استعمال کیا جائے گا... لہٰذا جو بیان دیں، سوچ سمجھ کر دیں، آپ کے حق میں بہتر یہی ہوگا کہ بالکل سچ سچ کہہ دیں... میرا پہلا سوال ہے... کیا آپ صدر صاحب پر حملے کی سازش میں شریک نہیں ہیں؟“

”نن... نہیں۔“ اس نے کہا۔

پھر غور کرلیں... کیا کسی نے آپ کو مجبور کیا تھا، لالچ دیا تھا... آخر سر پر جان بوجھ کر پتھر کھانا... آسان کام تو نہیں۔“

”جی... جی ہاں... یہ تو خیر ٹھیک ہے۔“

”تب پھر پتھر کھانے کا کتنا معاوضہ آپ کو دیا گیا، یا دینے کا وعدہ کیا گیا۔“

”مم... میں نے... کہانا... میں نے سازش میں حصہ نہیں لیا۔“

”جھوٹ بول کر تو آپ نقصان میں ہی رہیں گے۔“ انسپکٹر جمشید بولے۔ انھوں نے بے بسی سے دوسرے افراد کی طرف دیکھا، آلات سیٹ کرنے والے ایک فرد نے بٹن دبایا اور ساتھ ہی انھوں نے اکرم خان کا چہرہ سرخ ہوتے محسوس کیا:

”تو پتھر آپ پر پھینک کر مارا گیا تھا۔“

”نن... نہیں... نزدیک آ کر مارا گیا تھا۔“

”تب پھر... آپ نے پتھر مارنے والے کو ایسا کرنے کی اجازت کیوں دی؟“

”مم... میں... میں واقعی لالچ میں آ گیا تھا... وہ میرے پاس آیا اور باتیں کرنے لگا، پھر باتوں باتوں میں اس نے مجھے لالچ دینا شروع کیا اور۔“

”نہیں اکرم خان... آپ پھر اُکھڑ رہے ہیں... یہ ایسا معاملہ نہیں جو ساتھ ساتھ طے کیا گیا ہو، یہ معاملہ تو آپ سے پہلے ہی طے کر لیا گیا تھا اور صاف ظاہر ہے، آپ کو کوئی لمبی رقم پیش کی گئی ہوگی... جس کے بدلے میں آپ کو کرنا صرف یہ تھا کہ ایک پتھر سر پر کھانا تھا اور بے ہوش ہو جانا تھا، کیوں ٹھیک کہہ رہا ہوں نا میں۔“

”ہاں... یہی بات ہے۔“ اس نے تھکے تھکے انداز میں کہا۔

”شکریہ اکرم خان! اب ہمیں صرف یہ بتا دیں کہ وہ شخص کون ہے جس نے آپ سے معاملہ طے کیا تھا اور آپ کو کتنی رقم دی گئی... وہ رقم اب کہاں ہے؟“

”مم... میں... مجھے نوٹوں کا ایک بریف کیس بھرا ہوا دیا گیا تھا... میں نے انھیں گنا نہیں تھا، جوں کے توں گھر میں رکھ دیے تھے۔“ اس نے جلدی جلدی کہا۔

”بہت خوب! اب آپ سچ بول رہے ہیں... ہاں تو وہ کون ہے؟“

”وہ... وہ... یعنی کہ وہ۔“

ان الفاظ کے ساتھ ہی اس کے حلق سے ایک گھٹی گھٹی چیخ نکل گئی... پھر بدن میں تھرتھری دوڑتی نظر آئی اور گردن ایک طرف ڈھلک گئی۔

”ارے... یہ کیا ہوا۔“ انسپکٹر جمشید بوکھلا اُٹھے۔

”یہ مر چکا ہے جناب۔“ ایک ڈاکٹر نے کہا۔

”لل... لیکن کیسے؟“

”یہ تو دیکھنا پڑے گا۔“

”تو پھر فوری طور پر پتا چلائیے... یہ کس طرح مر گیا۔“ انھوں نے کہا اور کمرے سے باہر نکل آئے۔ اکرم خان بہت غلط وقت پر مرا تھا۔ عین اس وقت جب وہ مجرم کا نام بتانے والا تھا۔

باہر نکل کر انھوں نے گھر کے نمبر ڈائل کیے... سلسلہ ملتے ہی بولے:

”ہیلو بیگم... وہ تینوں ابھی تک لوٹے یا نہیں۔“

"جی نہیں... میں بہت فکر مند ہوں۔"

"اللہ پر بھروسہ رکھو بیگم۔" یہ کہہ کر انھوں نے ریسیور رکھ دیا اور برآمدے میں ٹہلنے لگے۔ وہ پہلے یہ جاننا چاہتے تھے کہ اکرم خان کس طرح مرا۔ اس کے بعد کوئی قدم اُٹھانا چاہتے تھے۔ انھیں گہری سازش کا احساس ہو رہا تھا۔ دوسری طرف ان کا ذہن محمود، فاروق اور فرزانہ میں اُلجھا ہوا تھا۔ نہ جانے ان پر کیا بیتی کہ وہ فون تک نہیں کر سکے۔

آخر آدھ گھنٹے بعد تین ڈاکٹر کمرے سے نکل کر ان کی طرف بڑھے:

"موت کا سراغ لگا لیا گیا جناب۔"

"ویری گڈ... وہ کس طرح مرا؟"

"زہر سے... اس کے جسم میں ایک زہر داخل کیا گیا تھا... اسی سے اس کی موت واقع ہوئی ہے۔"

"زہر کب داخل کیا گیا... کیا اسی وقت۔" انسپکٹر جمشید چونکے۔

"جی نہیں... کچھ دیر پہلے... وہ زہر فوری اثر کرنے والا نہیں ہے، قریباً آدھ گھنٹا بعد اثر کرتا ہے۔"

"آدھ گھنٹے بعد... گویا زہر اس کے جسم میں آدھ گھنٹا پہلے داخل کیا گیا... اس وقت تو وہ صدر صاحب کی رہائش گاہ میں ہی موجود تھا۔" انھوں نے حیران ہو کر کہا۔

"جی ہاں! زہر وہیں اس کے جسم میں داخل کیا گیا۔"

"اوہ... اوہ... ڈاکٹر ہمدانی۔" انھوں نے بوکھلا کر کہا اور بیرونی دروازے کی طرف دوڑ پڑے۔

ان کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ باہر نکلتے ہی وہ اپنی جیپ میں بیٹھے اور بلا کی رفتار سے صدر صاحب کی رہائش گاہ کی طرف روانہ ہو گئے۔

ان کی پریشانی میں لمحہ بہ لمحہ اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔

(جاری ہے)

زخمی

اشتیاق احمد

قسط نمبر 8

''یہ... یہ میں نے کیا سنا ہے؟''

''آپ نے بالکل درست سنا ہے... ہم محمود، فاروق اور فرزانہ ہیں، سیر کے لیے گھر سے نکلے ہوئے تھے کہ پیچھے سے ایک جیپ آئی اور آگے نکل گئی، پھر اس کا ٹائر پھٹ گیا اور اس میں سے ایک آدمی نکل کر جنگل میں گھس گیا... ہم نے دیکھا کہ وہ شدید زخمی تھا... اس کی مدد کرنے کے لیے ہم بھی اس کی طرف دوڑ پڑے... دوڑتے ہوئے وہ ایک درخت سے ٹکرایا اور بے ہوش ہو کر گر پڑا... اسی وقت وہ نیلی کار سڑک کے کنارے رکی، اور اس میں سے کچھ غنڈے نکلے... وہ اس زخمی کی تلاش میں تھے... ہم زخمی کو اُٹھا کر مخالف سمت میں لے آئے اور وہ تلاش کرتے ہوئے دور نکل گئے، تاہم ان کا ایک ساتھی کار کے پاس موجود تھا، ہم نے اسے پتھر مار کر بے ہوش کر دیا اور زخمی کو کار میں ڈال کر وہاں سے نکل کھڑے ہوئے... شہر کی طرف اس لیے نہیں جا سکے کہ کار کو موڑنا پڑتا اور اس دوران غنڈے سڑک تک پہنچ سکتے تھے... بس جناب کہانی صرف اتنی ہے... اب آپ سوچ ہی سکتے ہیں کہ اس میں ہم کس قدر قصوروار ہیں... اور ہمارے ساتھ جو سلوک ہو رہا ہے، کیا ہم اس کے حق دار بھی ہیں یا نہیں...'' یہاں تک کہہ کر محمود خاموش ہو گیا۔

انسپکٹر سجاد چند لمحوں تک سوچ میں ڈوبا رہا، آخر اس نے کہا:

''ٹھیک ہے... میں ملک صاحب سے بات کرتا ہوں۔''

''اس میں ملک صاحب سے بات کرنے کی کیا ضرورت ہے۔''

''آپ نہیں جانتے... اس کی کیا پوزیشن ہے... مجھ جیسوں کو تو کھڑے گھاٹ نوکری سے نکلوا سکتا ہے۔''

یہ کہہ کر اس نے فون پر نمبر ڈائل کرنے شروع کیے... آخر سلسلہ ملنے پر بولا:

''ہیلو سر... ایک سلسلے میں آپ کی رہنمائی چاہتا ہوں... جی... جی ہاں... انسپکٹر سجاد بول رہا ہوں۔'' یہ کہہ کر وہ رُک گیا اور دوسری طرف کی بات سننے لگا، پھر گھبرا کر بولا:

''نو سر... ابھی تک میں نے انھیں حوالات میں بند نہیں کیا۔''

دوسری طرف سے نہ جانے کیا کہا گیا، انسپکٹر سجاد نے بوکھلا کر ریسیور رکھ دیا اور ان سے بولا:

''ملک صاحب کو یہ سن کر بے تحاشہ غصہ آ گیا ہے کہ اب تک میں نے آپ لوگوں کو حوالات میں بند کیوں نہیں کیا ہے... لہٰذا انھوں نے میری

کوئی بات بھی سننے سے انکار کر دیا ہے... اور کہا ہے کہ وہ ابھی میرا بندوبست کرتے ہیں۔''

"بندوبست کرتے ہیں۔" محمود حیران ہو کر بولا۔
"جی ہاں! مجھے ملازمت سے نکلوانے کے لیے کسی کو فون کر دیں گے اور کیا۔" اس نے کانپتی آواز میں کہا۔
"اگر ہمیں حوالات میں ڈال کر آپ کی ملازمت بچ سکتی ہے تو پھر آپ ایسا کر گزریں۔" فرزانہ نے جلدی سے کہا۔
"اب اس کا بھی کوئی فائدہ نہیں... انھوں نے کہا ہے کہ اب میں آپ لوگوں کو حوالات میں بند کروں گا بھی نہیں... اب تو نیا آنے والا ہی ہمیں بند کرے گا۔"
"کیا کہا... اتنی جلدی کوئی اور انسپکٹر یہاں آ جائیں گے۔"
"ہاں! ملک دلمیر سب کچھ کر سکتے ہیں۔"
"اوہ!" وہ دھک سے رہ گئے۔
ابھی چند منٹ ہی گزرے ہوں گے کہ سبز رنگ کی جیپ تھانے میں داخل ہوئی... سلوٹ مارنے کی آوازیں گونج اٹھیں... انسپکٹر سجاد گھبرا کر اُٹھ کھڑا ہوا... اس نے تھر تھر کانپتی آواز میں کہا:
"اُف خدا... ایس پی صاحب آ گئے۔"
"محمود، فاروق اور فرزانہ ابھی تک انسپکٹر سجاد کے سامنے کھڑے رہے تھے... لہٰذا انھیں کھڑا ہونے کی ضرورت پیش نہیں آئی... اسی وقت ایک لمبے قد کا پولیس آفیسر دفتر میں داخل ہوا... اس کا چہرہ غصے سے لال بھبھوکا ہو رہا تھا... اس کے اندر داخل ہوتے ہی انسپکٹر سجاد اپنی میز کے پاس سے ہٹ کر کھڑا ہو گیا، اس نے ایک زوردار سلوٹ مارا۔
"انسپکٹر سجاد... یہ تم نے کیا کیا... ملک صاحب کا حکم ماننے میں اتنی دیر کر دی۔"
"یس سر... یس سر... مجھ سے یہ بھیانک غلطی ہوئی ہے سر... مم... میں بہت شرمندہ ہوں۔"
"شرمندہ ہونے سے اب کیا فائدہ ہوگا... ملک دلمیر نے تمھاری ملازمت بالکل ختم کر دینے کا حکم دیا ہے... تم ہی بتاؤ... اب میں تمھارے لیے کیا کر سکتا ہوں۔"
"یہ... یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں سر۔" انسپکٹر سجاد نے کانپ کر کہا۔
"تم جانتے ہی ہو سجاد... ہم ان کے سامنے کس قدر مجبور ہیں، وہ صدر صاحب کو ایک فون بھی کر دیں تو ہم سب ملازمت سے نکال دیے جائیں۔"
"یس سر... یہ تو ہے... لیکن سر... میں تو آپ کا۔"
"ٹھیک ہے سجاد... تم میرے سالے ہو... لیکن میں ملک دلمیر کے حکم کی خلاف ورزی کس طرح کر سکتا ہوں، اس طرح تو خود میں بھی ملازمت سے ہاتھ دھو بیٹھوں گا، لیکن یہ بتاؤ... ملک صاحب کا وہ کون سا حکم ہے جس میں کوتاہی ہو گئی۔"

’’اُن کا حکم ان تینوں کے بارے میں تھا... یہ کہ انھیں حوالات میں بند کر دیا جائے اور پھر پرچہ درج کر کے انھیں جیل بھجوا دیا جائے۔‘‘

’’انھوں نے کیا کیا ہے؟‘‘

’’میں عرض کرتا ہوں سر۔‘‘ اس نے کہا اور ان کا بیان دہرا دیا۔

’’تو تم انھیں حوالات میں ڈال دیتے... تمہارا کیا حرج ہو رہا تھا‘‘ ایس پی صاحب نے ناخوش گوار لہجے میں کہا۔

’’میں انھیں حوالات میں بند کرانے ہی والا تھا کہ انھوں نے ایک عجیب بات کہہ ڈالی۔‘‘ انسپکٹر سجاد بے چارگی کے عالم میں بولا۔

’’عجیب بات... کون سی عجیب بات؟‘‘

’’یہ کہ یہ انسپکٹر جمشید کے بچے ہیں۔‘‘

’’کیا!!!‘‘ ایس پی صاحب اُچھل پڑے۔ اُن کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

’’اور انھوں نے جو کچھ کیا... اس زخمی کی جان بچانے کے لیے کیا... ان حالات میں انھیں حوالات کس طرح بھیجا جا سکتا ہے، یہی بات بتانے کے لیے میں نے ملک صاحب کو فون کیا تھا، لیکن انھوں نے میری بات سنی ہی نہیں، بس یہ سن کر غصے میں آ گئے کہ ابھی تک ان تینوں کو حوالات میں بند کیوں نہیں کیا گیا۔‘‘

’’ہوں، بات دراصل یہ ہے سجاد کہ تم بالکل احمق ہو۔‘‘

’’جی کیا فرمایا... میں احمق ہوں۔‘‘

’’ہاں! اس میں ایک فیصد بھی شک نہیں ہے۔‘‘

’’یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں سر؟‘‘ انسپکٹر سجاد نے بوکھلا کر کہا۔

’’ٹھہرو... بتاتا ہوں... تم احمق کس طرح ہو۔‘‘

یہ کہہ کر ایس پی صاحب نے فون کا ریسیور اُٹھایا اور نمبر گھمانے لگے... آخر بولے:

’’ہیلو ملک صاحب... آپ کا خادم ایس پی منظور بول رہا ہوں... جی... جی ہاں بالکل... میں نے آتے ہی انسپکٹر سجاد کو ملازمت سے برطرف کر دیا ہے اور ان تینوں کو حوالات میں ڈال دیا ہے... آپ کا حکم ہو اور اس پر عمل نہ کیا جائے... یہ کس طرح ہو سکتا ہے جناب... جی... بالکل... اب میں بھی آپ سے کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں... اور وہ یہ جناب کہ یہ تینوں بالکل بے قصور ثابت ہوئے ہیں، انھوں نے تو دراصل ایک زخمی کی جان بچانے کی کوشش کی تھی... وہ زخمی ایک جیپ میں بھاگا جا رہا تھا کہ جیپ کا ٹائر پنکچر ہو گیا... وہ شخص جنگل میں گھس گیا، اس کے پیچھے کچھ دشمن تھے... وہ آپ کی کار میں وہاں تک پہنچے اور اس زخمی کی تلاش میں جنگل میں گھس گئے... اس وقت یہ تینوں سیر کرتے ہوئے اس

جگہ سے گزر رہے تھے، انھوں نے زخمی کی مدد کرنے کا فیصلہ کرلیا اور کسی نہ کسی طرح آپ کی کار میں اسے ڈال کر بھاگ نکلے... اور ہمارے شہر کے اس پرائیویٹ ہسپتال میں اسے داخل کرا دیا.. اسی وقت آپ کی کار شناخت کرلی گئی... آپ تشریف لائے اور انھیں حوالات میں ڈالنے کا حکم دے دیا.. اب حالات اور واقعات آپ کے سامنے ہیں... جو آپ حکم فرمائیں، کیا جائے۔''

''تو انھوں نے کسی زخمی کو ہسپتال میں داخل کرایا تھا۔''

''جی ہاں بالکل۔'' ایس پی صاحب نے فوراً کہا۔

''منظور صاحب... یہ ضرور کوئی گہری سازش ہے... ہو سکتا ہے، یہ سازش میرے خلاف ہو... آخر اس کام کے لیے میری کار ہی کیوں چرائی گئی.. لہٰذا وہ تینوں حوالات میں ہی رہیں گے... آپ مزید تفتیش کریں اور پھر مجھے فون کریں۔''

''بہت بہتر سر۔'' ایس پی صاحب نے گھبرا کر کہا اور ریسیور رکھ دیا:

''وہ انھیں بے قصور سمجھنے پر تیار نہیں... مطلب یہ کہ تمہارے ساتھ میں بھی پھنس گیا۔''

''اب... اب کیا ہوگا؟'' (جاری ہے)

زخمی

اشتیاق احمد

قسط نمبر 9

''ہمیں چاہیے کہ انسپکٹر جمشید کو فون کر دیں۔۔ وہ خود ہی اس معاملے سے نبٹ لیں گے۔۔۔ ہماری جان چھوٹ جائے گی، فی الحال ملک صاحب کو یہ اطمینان تو دلوا ہی دیا ہے کہ انھیں حوالات میں ڈال دیا گیا ہے۔'' یہ کہتے وقت وہ دھیمے انداز میں مسکرائے۔

''آپ لوگ کھڑے کیوں ہیں۔۔۔ تشریف رکھیے نا۔۔۔ میں جانتا ہوں، آپ کے ساتھ بہت زیادتی ہوئی ہے۔۔۔ مجھے اس کا افسوس بھی ہے۔۔۔ لیکن آپ دیکھ ہی رہے ہیں کہ ہم کس قدر مجبور ہیں۔''

''ایسی ملازمت سے کیا فائدہ جناب۔۔۔ کہ آدمی انصاف سے کام بھی نہ لے سکے۔۔۔ آپ لوگوں کو چاہیے، ملازمتوں سے جواب دے دیں۔'' فرزانہ نے جلے کٹے لہجے میں کہا۔

''اس کا بھی کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔۔۔ ملازمت سے نکل کر بھی ہمیں ملک دلمیر کی دشمنی مول لینا ہوگی۔''

''تب پھر یہ کیا زندگی ہوئی؟'' محمود نے کہا۔

''اس بات کو چھوڑیے۔۔۔ اور یہ سوچیے کہ اب کیا کیا جائے؟''

''یہ سوچنا تو آپ کا کام ہے۔۔۔ ہم تو یہی کہیں گے، چونکہ ہمارا کوئی جرم نہیں، اس لیے ہمیں جانے کی اجازت دی جائے۔۔ پہلے ہی ہمیں بہت دیر ہوگئی ہے۔۔۔ گھر پہنچنے میں بھی ایک گھنٹا اور لگے گا۔'' فاروق بولا۔

''میں عجیب سی اُلجھن میں مبتلا ہو گیا ہوں۔۔۔ اور اس کے سوا کوئی راستہ نہیں سوجھ رہا کہ انسپکٹر جمشید کو فون کر دیا جائے، اپنا نمبر بتائیں۔''

محمود نے کندھے اچکاتے ہوئے نمبر بتا دیے اور ایس پی منظور نمبر گھمانے لگے۔۔۔ محمود نے گھر کے نمبر بتائے تھے، کیونکہ دفتر کا وقت تو کب کا ختم ہو چکا تھا۔۔ سلسلہ ملنے پر ایس پی منظور نے کہا:

''ہیلو۔۔۔ کون صاحب؟''

''میں بیگم جمشید ہوں۔۔۔ آپ کون ہیں اور کس سے ملنا چاہتے ہیں۔'' دوسری طرف سے کہا گیا۔

''انسپکٹر جمشید سے۔''

''وہ گھر پر نہیں ہیں۔''

''میں ان سے محمود، فاروق اور فرزانہ کے بارے میں بات کرنا چاہتا تھا۔''

''کیا مطلب۔۔۔ کیا آپ کو ان کے بارے میں معلوم ہے۔۔۔ تو پھر مہربانی فرما کر آپ مجھے بتا دیں۔''

”تو پھر سنیے، میں ایس پی منظور ہوں، شاہ پور سے بول رہا ہوں، آپ کے تینوں بچے یہاں کے مرکزی تھانے میں موجود ہیں، ایک اُلجھن میں مبتلا ہو گئے ہیں... انسپکٹر جمشید ہی انھیں اس اُلجھن سے نجات دلا سکتے ہیں، لہٰذا وہ جس قدر جلد ممکن ہو، یہاں پہنچ جائیں۔“

”جی بہتر! میں آپ کا پیغام انھیں دے دوں گی... کیا آپ ان میں سے کسی سے میری بات کرا سکتے ہیں؟“

”جی ہاں! کیوں نہیں... لیجیے... بات کر لیں۔“

یہ کہہ کر ایس پی نے ریسیور محمود کے ہاتھ میں دے دیا:

”ہیلو امی جان... محمود بول رہا ہوں، ہم یہاں بالکل خیریت سے ہیں، فکر مند ہونے کی کوئی بات نہیں، ہاں ابا جان کو اطلاع کرنا ضروری ہے... کیا آپ کو معلوم نہیں کہ وہ کہاں ہیں۔“

”نہیں! تھوڑی دیر پہلے انھوں نے فون کر کے تمہارے بارے میں پوچھا ضرور تھا... وہ بھی تمہارے لیے فکر مند ہیں۔“

”تب تو وہ جلد ہی پھر فون کریں گے۔“

”ہاں بالکل... تم فکر نہ کرو، لیکن معاملہ کیا ہے؟“

”کوئی خاص نہیں... ایک شخص کی زندگی بچانے کی وجہ سے ہم اُلجھن میں مبتلا ہو گئے ہیں۔“

”اچھا... جونہی ان کا فون ملا، یا وہ خود آئے، انھیں شاہ پور بھیج دوں گی... تم فکر نہ کرو۔“

”شکریہ امی جان۔“

محمود نے ابھی ریسیور رکھا ہی تھا کہ ایک لمبی سی کار تھانے میں داخل ہوئی اور انھیں یوں لگا جیسے تھانے میں ہل چل سی مچ گئی ہو... ساتھ ہی ایس پی منظور اور انسپکٹر سجاد کا رنگ اڑتا نظر آیا... انھوں نے گھبرا کر سامنے دیکھا... ملک دلمیر چلے آ رہے تھے... ان کے چہرے پر طنز بھری مسکراہٹ ناچ رہی تھی... کمرے میں داخل ہوتے ہی بولے:

”تو یہ تینوں حوالات میں بند کیے جا چکے ہیں۔“

”جج... جی ہاں... بالکل... بند کر دیے گئے تھے... آپ ہی نے فرمایا تھا کہ ان کے خلاف مزید تفتیش کروں، چنانچہ ان سے سوالات کرنے کے لیے انھیں باہر نکلوایا گیا ہے۔“ ایس پی منظور نے جلدی جلدی سفید جھوٹ بولا۔

”لیکن میرا دعویٰ ہے... یہ لوگ ابھی تک حوالات میں ڈالے ہی نہیں گئے۔“

”سر... یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔“

”میں اتنا بے وقوف نہیں ہوں... خیر... ابھی دیکھتا ہوں... یہ حوالات میں کیسے نہیں ڈالے جاتے۔“ یہ کہہ کر ملک دلمیر ایک کرسی پر بیٹھ گئے اور فون کا ریسیور اُٹھا کر گھمانے لگے۔ آخر پانچ منٹ بعد انھوں نے کہا:

"ہیلو... طولانی صاحب... شاہ پور کی انتظامیہ ایک دم نکمی ہے، میں نے انسپکٹر سجاد کے حوالے تین مجرم کیے اور انھیں حوالات میں بند کرنے کی ہدایت کی، لیکن اس نے کوئی توجہ نہ دی، پھر میں نے ایس پی منظور کو بھیجا، انھوں نے بھی کوئی کارروائی نہیں کی، اُلٹا مجھ سے فون پر جھوٹ بول دیا کہ ان تینوں کو حوالات میں بند کر دیا ہے۔"

"یہ... یہ میں کیا سن رہا ہوں... ملک دلمیر صاحب... وہ لوگ اور آپ کا حکم نہیں مانیں گے... یہ کس طرح ہو سکتا ہے؟"

"یہ ہو چکا ہے طولانی صاحب اور آپ پوچھ رہے ہیں، یہ کس طرح ہو سکتا ہے۔" ملک دلمیر نے بُرا مان کر کہا۔

"اوہ... خیر... آپ فون کا ریسیور ایس پی منظور کو دیں۔" دوسری طرف سے کہا گیا۔

"کیسے دوں... میں تو اپنے طور پر ان دونوں کو ملازمت سے نکال بھی چکا ہوں۔"

"اوہ ہاں! ٹھیک تو ہے... میں غلط کہہ گیا... تو آپ ریسیور یہاں کے سب انسپکٹر کو دے دیں۔"

"ہاں! یہ ٹھیک رہے گا۔" یہ کہتے ہی ملک دلمیر نے گھنٹی بجائی، فوراً ہی ایک کانسٹیبل اندر داخل ہوا۔

"سب انسپکٹر صاحب کو بلا لاؤ۔"

"او کے سر۔" اس نے کہا اور ایک کمرے کی طرف مڑ گیا۔

جلد ہی سب انسپکٹر اندر داخل ہوا:

"یہ لو بھئی... گورنر طولانی صاحب کا حکم سنو۔"

"طولانی صاحب۔" وہ ہکلایا اور تھر تھر کانپتے ہاتھوں سے ریسیور پکڑتے ہوئے بولا:

"یس... یس... یس سر۔" اس کے حلق سے یہ الفاظ بہت مشکل سے نکلے۔

"میں تمھیں بطور انسپکٹر ترقی دیتا ہوں... تم ملک صاحب کے احکامات کی تعمیل کرو۔"

"او... او کے... او کے سر۔"

"اب ریسیور ملک صاحب کو دو۔"

"یس سر۔" اس نے کہا اور ریسیور ملک صاحب کو دے دیا۔

"ہیلو ملک صاحب... سب انسپکٹر کو بطور انسپکٹر ترقی دے دی گئی ہے... اب وہ آپ کے احکامات کی تعمیل کرے گا۔"

"شکریہ طولانی صاحب۔"

اور ان کے لیے ہدایات یہ ہیں کہ انھیں برطرف کیا جاتا ہے۔"

"بالکل ٹھیک... یہی ہونا چاہیے۔" ملک صاحب نے کہا، پھر وہ ریسیور رکھ کر ان کی طرف مڑے:

"تم دونوں کو برطرف کر دیا گیا ہے، سب انسپکٹر اب انسپکٹر ہیں... انسپکٹر صاحب ان تینوں کو فوری طور پر حوالات بھجوا

دیجیے... میں چاہتا ہوں، ان کی ضمانت نہ ہو۔"

"اوکے سر!" "آپ کے احکامات کی حرف بہ حرف تعمیل ہوگی۔" نئے انسپکٹر نے باادب ہو کر کہا اور گھنٹی بجائی۔ فوراً ہی ایک کانسٹیبل اندر داخل ہوا اور اندر کا منظر دیکھ کر حیرت زدہ رہ گیا۔ حیران نہ رہ جاتا تو کیا کرتا۔ ایس پی صاحب اور انسپکٹر صاحب تو کھڑے تھے اور سب انسپکٹر انسپکٹر کی کرسی پر بیٹھا تھا:

"ان تینوں کو حوالات میں ڈال دو۔" "خبردار میری اجازت کے بغیر ان سے کوئی ملاقات نہ کرنے پائے۔"

"یس سر۔" اس نے گھبرا کر کہا اور ان تینوں کی طرف بڑھا:

"چلو۔"

چلو اس نے ایسے انداز میں کہا تھا جیسے وہ کوئی بڑے بھاری مجرم ہوں... تینوں نے سب پر ایک نظر ڈالی اور کانسٹیبل کے ساتھ باہر نکل آئے...

"قانون کی اس چار دیواری میں قانون کا مذاق اڑایا جا رہا ہے، لہٰذا ہمارے لیے ان کا حکم ماننا ضروری نہیں رہا۔" محمود نے دبی آواز میں کہا۔

"پھر... تم کیا کہتے ہو؟" فرزانہ بولی۔

"ہم حوالات میں بند نہیں ہوں گے۔" اس نے جواب دیا۔

"بھئی دیکھ لو... کہیں ہم خطرہ تو مول نہیں لے رہے؟"

"دیکھا جائے گا... ہم نے کیا جرم کیا ہے کہ حوالات کی بدبودار کوٹھری میں بند ہوں۔"

کانسٹیبل انھیں لے کر حوالات کے دروازے پر پہنچ گیا اور پیٹی میں سے چابی نکال کر تالا کھولنے لگا، انھوں نے ادھر اُدھر دیکھا اور بیرونی دروازے کی طرف دوڑ پڑے اور اس قدر تیز دوڑے کہ آن کی آن میں تھانے سے باہر تھے... انھوں نے اپنے پیچھے ارے ارے کی آوازیں سنیں...

لیکن ارے ارے کی یہ آوازیں بھلا انھیں کس طرح روک سکتی تھیں۔ (جاری ہے)

زخمی

اشتیاق احمد

قسط نمبر 10

صدر صاحب کی رہائش گاہ کی طرف جاتے ہوئے وہ تیزی سے سوچ رہے تھے... آدھ گھنٹا پہلے اکرام خان کے کمرے میں ڈاکٹر ہمدانی ہی موجود تھا، تو پھر کیا ڈاکٹر ہمدانی نے ہی اس کے جسم میں زہر داخل کیا تھا؟ اس کے سوا بھلا اور کیا کہا جاسکتا تھا... اور اگر اکرام خان کو زہر واقعی ڈاکٹر ہمدانی نے دیا تھا تو اس معاملے کی جڑیں شاید بہت دور تک پھیلی ہوئی تھیں... دوسرے یہ کہ ابھی تک صدر صاحب ڈاکٹر ہمدانی صاحب کی رہائش گاہ میں ہی موجود تھے... اگر وہ اس سازش میں شریک تھے تو پھر صدر صاحب خطرے میں تھے... انسپکٹر جمشید اس پر پریشان تھے...

آخر جیپ کو آندھی اور طوفان کی طرح دوڑاتے وہ رہائش گاہ پر پہنچ گئے... یہاں حالات جوں کے توں تھے... انھیں فوراً ہی اندر پہنچا دیا گیا... صدر صاحب کو صحیح سلامت دیکھ کر ان کی جان میں جان آئی:

"ہاں جمشید... کیا رہا؟" وہ بولے۔

"تفتیش بہت تیزی سے آگے بڑھ رہی ہے سر... آپ فکر نہ کریں۔" یہ کہہ کر وہ ڈاکٹر رحمانی کی طرف مڑے:

"ڈاکٹر صاحب... ڈاکٹر ہمدانی کہاں ہیں؟"

"دوسرے کمرے میں آرام کر رہے ہیں، کیونکہ دو گھنٹے بعد ان کی ڈیوٹی شروع ہو جائے گی... میں رخصت ہو جاؤں گا۔"

"میں ان سے ملنا چاہتا ہوں... آپ تشریف رکھیے، میں ابھی حاضر ہوتا ہوں۔"

یہ کہہ کر وہ باہر نکل گئے اور ایک نگران سے معلوم کر کے اس کمرے تک پہنچے... دستک دی تو اندر سے ڈاکٹر ہمدانی کی آواز سنائی دی:

"کون ہے؟"

"انسپکٹر جمشید۔"

"چلے آئیے انسپکٹر صاحب... دروازہ اندر سے بند نہیں ہے۔" انھوں نے کہا، وہ اندر داخل ہوتے ہوئے بولے:

"شکریہ جناب... معافی چاہتا ہوں، آپ کو زحمت دینے چلا آیا، حالانکہ یہ آپ کے آرام کا وقت ہے۔"

"میری فکر نہ کریں۔" انھوں نے بستر سے اُٹھتے ہوئے کہا۔

"اکرام خان مر گیا ہے۔" انسپکٹر جمشید نے سرسراتی آواز میں کہا۔

"مر گیا ہے۔" ڈاکٹر ہمدانی نے حیران ہو کر کہا۔

"ہاں، وہ مر چکا ہے۔"

"لیکن کیسے... سر کا زخم تو بہت معمولی تھا۔" انھوں نے حیران ہو کر کہا۔

"ہاں، یہ ٹھیک ہے... اس کی موت سر کے زخم سے نہیں ہوئی... اس کے جسم میں تو دراصل زہر داخل کیا گیا ہے، ڈاکٹروں کا کہنا ہے کہ اس زہر نے فوراً کام نہیں کیا... دیے جانے کے نصف گھنٹا بعد کام کیا ہے۔"

"آدھ گھنٹا بعد... آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔" ڈاکٹر ہمدانی چونک اُٹھے۔

"یہ کہ آدھ گھنٹا پہلے آپ اکرام خان کے پاس تھے... آپ نے ہی اس کے زخم پر پٹی باندھی تھی... اور انجکشن بھی دیا ہوگا، کیا یہ ممکن نہیں کہ آپ نے اس دوران اس کے جسم میں زہر داخل کیا ہو۔"

"یہ... یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔" ڈاکٹر ہمدانی کا رنگ اُڑ گیا۔

"حالات اور واقعات اسی طرف اشارہ کر رہے ہیں... یہ موقع صرف اور صرف آپ کو حاصل تھا... جب میں پہلی بار اس کمرے میں داخل ہوا تھا تو اکرام خان کے ساتھ کمرے میں صرف آپ موجود تھے... اس سے میں کیا مطلب نکالوں۔"

"آپ بالکل غلط مطلب نکال رہے ہیں... اس کی موت سے میرا کوئی تعلق نہیں، بھلا ہو بھی کیسے سکتا ہے... آخر مجھے ایسا کرنے کی کیا ضرورت تھی۔" انھوں نے جلدی جلدی کہا۔

"ضرورت تھی... اکرام خان اگر زندہ رہتا تو ہم اس سے اگلوا لیتے کہ اس سازش میں اسے کس نے شریک کیا ہے، جب کہ آپ یہ پسند نہیں کرتے تھے کہ اس کا نام سامنے آئے، لہٰذا آپ نے اسے زہر دے دیا۔"

"آپ بالکل غلط سوچ رہے ہیں اور آپ کو اپنی اس سوچ پر بعد میں افسوس ہوگا۔"

"خیر... وہ بعد میں دیکھ لیا جائے گا... میں آپ کو حراست میں لے رہا ہوں، کیونکہ اس کے سوا کوئی چارہ نہیں۔"

"یہ... یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔"

"افسوس! میں مجبور ہوں۔" انھوں نے کہا اور کمرے سے باہر نکل کر دروازہ بند کر دیا، پھر بیرونی دروازے پر آئے۔ یہاں اکرام اور کچھ ماتحت موجود تھے:

"اندر ڈاکٹر ہمدانی ایک کمرے میں موجود ہیں... میں دروازہ باہر سے بند کرنے آیا ہوں... آپ ان کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں پہنا دیں اور ان کی بھی نگرانی کریں... ابھی ہم انھیں حوالات تک نہیں پہنچا رہے ہے۔"

"جی بہتر۔" اس نے کہا اور اپنے ساتھیوں کو لے کر اندر چلا گیا... انسپکٹر جمشید صدر صاحب کے کمرے کی طرف مڑے ہی تھے کہ ادھر سے ڈاکٹر رحمانی صاحب بدحواسی کے عالم میں آتے نظر آئے:

"انسپکٹر صاحب... یہ آپ کیا کرتے پھر رہے ہیں؟"

''کیا کرتا پھر رہا ہوں۔'' وہ مسکرائے۔

''میں نے سنا ہے... آپ ڈاکٹر ہمدانی صاحب کو حراست میں لے رہے ہیں۔''

''ہاں! آپ نے ٹھیک ہی سنا ہے... ایسا بہت مجبور ہو کر کیا گیا... جہاں تک میری تفتیش کا تعلق ہے، انھوں نے ہی اکرام خان کو زہر دیا ہے۔''

''یہ... یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔''

''میرا اندازہ یہی ہے... تاہم یہ غلط بھی ہو سکتا ہے، لیکن ڈاکٹر ہمدانی صاحب کو آزاد نہیں چھوڑا جا سکتا، کیونکہ یہ سازش ملک کے صدر کے خلاف ہے اور جب تک تمام سازشی پکڑے نہیں جاتے، اس وقت تک ان کی زندگی خطرے میں ہے۔''

''ہوں آپ ٹھیک کہتے ہیں... خیر... آپ کی مرضی... ویسے میں تو یہی کہوں گا... ڈاکٹر ہمدانی صاحب اس سازش میں شریک نہیں ہو سکتے، میں انھیں بہت اچھی طرح جانتا ہوں۔''

''خیر... یہ تو وقت بتائے گا۔'' انسپکٹر جمشید نے کندھے اُچکائے اور فون کی طرف بڑھے۔ گھر کے نمبر ڈائل کرنے کے بعد انھوں نے کہا:

''ہیلو بیگم . . . محمود، فاروق اور فرزانہ لوٹے یا نہیں؟''

''ابھی تک نہیں، لیکن ان کے بارے میں اطلاع موصول ہو گئی ہے۔'' اُدھر سے جواب ملا۔

''ویری گڈ... کیا اطلاع ملی ہے۔''

''وہ شاہ پور میں ہیں... وہاں کے مرکزی تھانے میں... اور کسی اُلجھن میں مبتلا ہو گئے ہیں... آپ کی وہاں ضرورت محسوس کی جا رہی ہے۔''

''وہ شاہ پور کس طرح پہنچ گئے؟'' انھوں نے حیران ہو کر کہا۔

''جی پتا نہیں... میں خود حیران ہوں۔''

''تو پھر تم نے میرے فون کا انتظار کیوں کیا، اکرام کو فون کر دیا ہوتا۔''

''میں نے سوچا تھا، لیکن نہ جانے کیا بات ہے کہ مجھے یہ اچھا محسوس نہیں ہوا۔''

''ہوں... خیر... میں دیکھتا ہوں... کیا معاملہ ہے۔''

اکرام اور نگرانوں کو ہدایات دے کر وہ باہر نکل آئے... اب وہ جیپ میں بلا کی رفتار سے شاہ پور کی طرف اُڑے جا رہے تھے... وہ محمود، فاروق اور فرزانہ کے لیے نہیں، اس اُلجھن کے بارے میں جاننے کے لیے جا رہے تھے... محمود، فاروق اور فرزانہ کے لیے تو وہ پھر بھی جا سکتے تھے، ان کے بارے میں اطلاع مل گئی تھی، یہی بہت تھا۔

آخری مرکزی تھانے کے سامنے ان کی جیپ رُکی، وہ نیچے اُتر کر تھانے میں داخل ہوئے تو اندر ہل چل سی مچی تھی... نہ جانے کیوں ان کے لبوں پر مسکراہٹ آگئی... کسی کانسٹیبل نے ان کی طرف آنکھ اُٹھا کر بھی نہ دیکھا... آخر وہ سیدھے انسپکٹر والے کمرے میں جا گھسے... یہاں ایک سب انسپکٹر، انسپکٹر کی کرسی پر موجود تھا... اور ایک ایس پی اور ایک انسپکٹر کھڑے تھے... ایک کرسی پر ایک بارعب سا آدمی بیٹھا تھا، انھیں یہ آدمی جانا پہچانا لگا۔

''آپ... آپ کون ہیں؟'' سب انسپکٹر نے بھنا کر کہا۔

''خیر تو ہے... آپ لوگ بہت پریشان نظر آ رہے ہیں۔''

''ابھی ابھی تین شیطان تھانے سے بھاگ نکلے ہیں... ہم ان کی وجہ سے پریشان ہیں... اور شہر بھر کی پولیس انھیں گرفتار کرنے کی سرتوڑ کوشش کر رہی ہے۔'' سب انسپکٹر نے جلدی جلدی کہا۔

''لیکن اس کمرے میں کیا ہو رہا ہے... سب انسپکٹر صاحب کرسی پر بیٹھے ہیں اور ان کے آفیسر کھڑے ہیں۔'' انسپکٹر جمشید حیران ہو کر بولے۔

''آپ کون ہیں . . . دخل اندازی کرنے والے۔''

''میں انسپکٹر جمشید ہوں... میں نے سنا تھا کہ میرے بچے محمود، فاروق اور فرزانہ یہاں موجود ہیں اور کسی اُلجھن میں مبتلا ہو گئے ہیں۔''

''کیا کہا... انسپکٹر جمشید... محمود، فاروق اور فرزانہ... ارے، کہیں وہ آپ کے ہی بچے تو نہیں تھے جو بھاگ نکلے ہیں۔''

''میرے بچے بھاگ نکلنے کے عادی نہیں۔'' انھوں نے منہ بنایا۔

''وہ آپ کے ہی بچے تھے جناب۔'' انسپکٹر سجاد نے کہا۔

''کیا مطلب؟'' ملک دلمیر نے پہلی مرتبہ گفتگو میں دخل دیا۔

''اسی لیے تو میں نے انھیں حوالات میں نہیں ڈالا تھا۔''

''پتا نہیں کیا چکر ہے... ذرا وضاحت کر دیں۔'' انسپکٹر جمشید جھنجلا اُٹھے۔

''ملک صاحب... کیا ہمیں اجازت ہے... انھیں بتا دیں؟''

''نہیں... آپ دونوں جا سکتے ہیں۔'' ملک دلمیر نے کہا۔

''بہت بہتر... آؤ سجاد چلیں۔''

''آخر یہ کیا ماجرا ہے؟''

''آپ تشریف رکھیے جناب... ہم ابھی آپ کو ساری بات بتاتے ہیں۔''

اس وقت ایس پی اور انسپکٹر کمرے سے نکل چکے تھے، انسپکٹر جمشید کا مارے حیرت کے بُرا حال تھا... آخر وہ کرسی پر بیٹھ گئے... اور بولے:

''ہاں! اب بتائیے۔'' (جاری ہے)

زخمی

اشتیاق احمد

قسط نمبر 11

''آپ کے بچوں نے ملک دلمیر صاحب کی کار چرائی ہے۔''

''کار چرائی ہے۔ یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں، بھلا یہ کس طرح ہو سکتا ہے۔'' انسپکٹر جمشید بولے۔

''اس سلسلے میں انھیں حوالات میں بند کیا جا رہا تھا کہ وہ بھاگ کھڑے ہوئے۔''

''ضرور آپ لوگوں کو غلط فہمی ہوئی ہے... وہ ایسا نہیں کر سکتے۔''

''جب ہم انھیں گرفتار کر لیں گے تو پھر آپ کے سامنے ان کا بیان لیا جائے گا، اس وقت ان کی زبانی سن لیجیے گا۔''

''بہت بہتر... سن لوں گا... شکریہ۔''

''انھوں نے کہا اور کمرے سے نکل آئے... سب انسپکٹر اور ملک دلمیر نے انھیں روکنے کی کوشش نہیں کی... وہ جیپ میں بیٹھے اور تھانے سے باہر نکلے ہی تھے کہ ایک آواز نے انھیں رُکنے پر مجبور کر دیا:

''ایک منٹ انسپکٹر صاحب... ساری بات تو آپ کو صرف ہم بتا سکتے ہیں۔''

انھوں نے چونک کر سڑک کے کنارے کی طرف دیکھا... ایس پی اور انسپکٹر وہاں کھڑے نظر آئے... انھیں دیکھ کر حیرت اور بڑھی... جیپ ان کے نزدیک کرتے ہوئے انھوں نے کہا:

''تشریف رکھیے۔''

دونوں ان کی جیپ کے پچھلے حصے میں بیٹھ گئے... جیپ چل پڑی تو انسپکٹر جمشید بولے:

''فرمایئے... آپ مجھے کیا بتانا چاہتے ہیں؟''

انسپکٹر سجاد نے پوری تفصیل کہہ سنائی:

''اوہ... تب تو آپ سب سے پہلے مجھے اس ہسپتال لے چلیے... میں اس زخمی سے ملاقات کرنا پسند کروں گا۔''

''جی کیا فرمایا... زخمی سے ملنا پسند کریں گے... گویا آپ کو اپنے بچوں کی فکر ہی نہیں۔''

''زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ پولیس انھیں گرفتار کر لے گی... ان کا معاملہ بعد میں دیکھا جائے گا... پہلے تو یہ جاننا ضروری ہے کہ وہ زخمی کون ہے۔''

''تو پھر اب جو سڑک دائیں طرف مڑے، اس پر موڑ لیجیے گا۔''

''اچھی بات ہے۔'' انھوں نے کہا۔

تھوڑی دیر بعد وہ ہسپتال کے سامنے اُتر رہے تھے... ان کی رہنمائی میں وہ زخمی کے کمرے تک پہنچے... اسی وقت

سامنے سے ایک ڈاکٹر صاحب آتے نظر آئے:

"اس کمرے کے زخمی سے تو نہیں ملنے آئے؟" انھوں نے پوچھا:

"جی . . . جی ہاں . . . آئے تو اسی سے ملنے ہیں۔"

"سوری! آپ اس سے نہیں مل سکتے۔"

"کیوں۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"اجازت نہیں ہے... حکام کی ہدایت یہ ہے کہ اس مریض سے کوئی بھی ملنے آئے... اسے ملنے نہ دیا جائے... بلکہ اس کے بارے میں پولیس کو اطلاع دی جائے۔"

"تو پھر آپ

ہمارے بارے میں پولیس کو اطلاع دے دیں۔"

"آپ کمرے کے باہر تشریف رکھیں، پہلے میں مریض کو دیکھ لوں کہ اب اس کا کیا حال ہے، پھر حکام کو فون کروں گا۔" اس نے کہا اور کمرے میں داخل ہو گیا، وہ ایک دوسرے کا منہ دیکھتے رہ گئے۔

"یہ احکامات کب جاری کر دیے گئے؟" ایس پی منظور حیران ہو کر بولے۔

"شاید ہمارے وہاں سے نکل آنے کے بعد۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"حیرت ہے... آخر یہ ہو کیا رہا ہے۔"

"ارے۔" انسپکٹر جمشید چونک اُٹھے، پھر کمرے کے دروازے پر ہاتھ کا دباؤ ڈال کر دیکھا۔ دروازہ بند تھا۔ انھوں نے تالے کے سوراخ میں سے اندر جھانکا اور پھر نہ جانے انھیں کیا ہوا۔ تیزی سے پیچھے ہٹے اور دروازے پر ایک ٹکر رسید کر دی۔ یہ ٹکر انھوں نے پورے زور سے ماری تھی۔ دروازے کے قبضے اُکھڑ گئے، ایس پی منظور اور انسپکٹر سجاد ارے ارے... یہ کیا کرتے رہ گئے۔ اتنے میں انسپکٹر جمشید کمرے میں داخل ہو چکے تھے۔

اندر کا منظر عجیب تھا۔

O

تینوں دوڑتے ہوئے اچانک ایک گلی مڑ گئے اور پھر گلیوں ہی گلیوں میں ہوتے نہ جانے کہاں کے کہاں نکل آئے...

اب تینوں بری طرح ہانپ رہے تھے... آخر محمود نے رُکتے ہوئے کہا:

"بس کرو... کافی بھاگ لیے ہیں۔"

"میں تو سمجھا تھا، آج ہم بھاگتے بھاگتے دنیا سے باہر نکل جائیں گے۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"تمہارے سمجھنے سے کیا ہوتا ہے۔" فرزانہ نے جھلا کر کہا۔

''سوال یہ ہے کہ اب ہم کیا کریں۔'' محمود بولا۔

''ہم... سیدھے اپنے شہر جائیں گے اور کیا کریں گے، یہاں رہے تو ضرور پھر سے پولیس کے ہتھے چڑھ جائیں گے۔'' فرزانہ نے جلدی جلدی کہا۔

''اور اس زخمی کا کیا بنے گا... کیا ہم اس کے بارے میں کچھ بھی نہیں جاننا چاہتے، وہ کون ہے... اس کے پیچھے وہ لوگ کیوں لگے ہوئے تھے، کیا انھوں نے ہی اسے زخمی کیا تھا... اور کیوں کیا تھا... یہ باتیں ہمیں اس کے ہوش میں آنے پر ہی معلوم ہوسکتی ہیں، اور ہو سکتا ہے، وہ اس وقت تک ہوش میں آ چکا ہو، لہٰذا کیوں نہ ہم لگے ہاتھوں ہسپتال سے بھی چکر لگاتے جائیں۔'' محمود نے تجویز پیش کی۔

''اور لگے ہاتھوں پولیس کے ہاتھ لگ جائیں۔'' فاروق جل بھن کر بولا۔

''بھئی تم پولیس سے اس قدر ڈرنے کب سے لگ گئے؟'' فرزانہ نے بھنا کر کہا۔

''اگر ہم بھاگ نہ لیے ہوتے تو حوالات کی سیر کر رہے ہوتے اس وقت... ملک دلمیر یہاں کا ہوا معلوم ہوتا ہے... گورنر تک اس کی بات نہیں ٹال سکتے۔''

''ہوں! خیر کوئی بات نہیں... ہم زخمی سے ملے بغیر نہیں جائیں گے... ورنہ ذہنوں میں اُلجھن رہے گی۔'' محمود نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

''محمود! میں تمہاری تائید کرتی ہوں۔''

''بالکل ٹھیک... تمھیں محمود کی تائید کرنی بھی چاہیے... اس کے سوا چارہ بھی کیا ہے۔'' فاروق نے بے بسی کے عالم میں کندھے اُچکائے۔

تینوں نے ایک پاس سے گزرتی ٹیکسی روکی اور اس میں بیٹھ کر ہسپتال پہنچے... زخمی کا کمرہ انھیں معلوم ہی تھا، سیدھے اسی طرف بڑھ گئے... کمرے کے دروازے پر کوئی نہیں تھا... انھوں نے دروازہ کھولا اور اندر داخل ہو گئے... اندر بھی زخمی کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا... اس کی آنکھیں بند تھیں...

''ہیلو زخمی صاحب... اب آپ کا کیا حال ہے؟'' فاروق نے اس پر جھکتے ہوئے کہا۔

''زخمی صاحب... یہ کیا نام ہوا؟'' فرزانہ نے اسے گھورا۔

''بھئی ہمیں ان کا نام معلوم جو نہیں۔''

''تو شانے سے پکڑ کر ہلا کر دیکھو نا۔'' فرزانہ بولی۔

فاروق نے اس کا کندھا پکڑ کر ہلایا:

''بھئی کب تک بے ہوش رہو گے، بے ہوش رہنے کی بھی ایک حد ہوتی ہے... اور میرا خیال ہے، آپ وہ حد عبور کر

چکے ہیں، اب مزید بے ہوش رہنا بالکل مناسب معلوم نہیں ہوتا، اس لیے میرا نیک مشورہ یہی ہے کہ آنکھیں کھول دیں اور کچھ اپنا اتا پتا بتائیں، تاکہ ہم آپ کے گھر والوں کو اطلاع دے سکیں۔'' فاروق کہتا چلا گیا۔

''ہوں! کچھ اور بھی کہہ ڈالو... کوئی کسر نہ رہ جائے۔'' فرزانہ جل گئی۔

''آج تم پر جلنے بھننے کا بھوت تو سوار نہیں ہو گیا۔'' فاروق حیران ہو کر بولا۔

عین اسی وقت زخمی نے آنکھیں کھول دیں... چند سیکنڈ تک وہ چاروں طرف نظریں گھما گھما کر دیکھتا رہا، انھوں نے اپنے ہونٹ بھینچ لیے، دیکھنا چاہتے تھے کہ وہ کیا کہتا ہے... آخر اس کے ہونٹ ہلے:

''مم... میں... میں کہاں ہوں۔''

''اچھا سوال ہے، اس سے اچھا سوال آپ کر بھی تو نہیں سکتے تھے۔'' فاروق نے خوش ہو کر کہا۔ محمود اور فرزانہ نے اُسے گھورا۔

''کیا مطلب؟'' زخمی حیران ہو کر بولا۔

''آپ ہسپتال میں ہیں، زخمی حالت میں ہمیں ایک جنگل میں پڑے ملے تھے۔''

''زخمی حالت... جنگل... اوہ... تو میں ہسپتال میں ہوں... اُف خدا... وہ... وہ... وہ۔''

''یہ تین بار وہ کہنے کی کیا ضرورت پڑ گئی آپ کو؟'' فاروق نے حیران ہو کر کہا۔

''مم... میرا مطلب ہے... وہ لوگ۔'' وہ پھر کہتے کہتے رُک گیا۔

''اچھا! ہم سمجھ گئے... آپ کا مطلب ہے، وہ لوگ جنھوں نے آپ کو زخمی کیا تھا۔''

''ہاں ہاں... وہ کہاں چلے گئے۔''

''بہت پیچھے رہ گئے... ہم آپ کو ایک کار میں ڈال کر اس ہسپتال تک لے آئے تھے۔''

''اوہ.. تب تو وہ یہاں بھی پہنچ جائیں گے... مجھے یہاں سے نکل جانا چاہیے۔'' اس نے اٹھنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا، پھر اس کے منہ سے ایک چیخ نکل گئی اور وہ ساکت لیٹ گیا۔

''لیٹے رہیے . . . آپ اس قابل نہیں کہ چل پھر سکیں۔''

''ہاں شاید... یہی بات ہے۔''

''اپنے بارے میں بتائیے... آپ کون ہیں، نام کیا ہے، آپ کا گھر کہاں ہے... آپ کو زخمی کرنے والے کون لوگ تھے؟'' محمود نے جلدی جلدی کہا۔

''مم... میں... میں۔'' وہ ہکلا کر رہ گیا۔

(جاری ہے)

زخمی

اشتیاق احمد

قسط نمبر 12

''ہاں! آپ بتایئے نا... تاکہ ہم آپ کے گھر والوں کو اطلاع دے سکیں۔''

''مجھے کچھ یاد نہیں آ رہا کہ میں کون ہوں... کہاں رہتا ہوں... مجھے کن لوگوں نے زخمی کیا، کیوں کیا... کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا۔''

''اس کا مطلب ہے... اس حادثے کا آپ کے دماغ پر بھی اثر ہے... اور آپ کو آرام کی ضرورت ہے... جب آپ کی حالت سنبھل جائے گی تو پھر سب کچھ یاد آ جائے گا... کوئی بات نہیں، ہم اس وقت آ کر آپ سے باتیں کر لیں گے... بس اُلجھن صرف یہ رہے گی کہ ہم آپ کے گھر والوں کو اطلاع نہیں دے سکیں گے۔'' محمود جلدی جلدی بولا۔

''گھر... گھر... گھر... اوہ ہاں یاد آیا... میں رحمانیہ محلے میں رہتا ہوں... گلی نمبر نو میں ستائیسواں مکان۔'' اس نے کہا۔

''اور یہ رحمانیہ محلہ کہاں ہے... کیا دارالحکومت میں؟'' فرزانہ نے پوچھا۔

''تو اور کہاں ہوگا... کیا میں دارالحکومت کے کسی ہسپتال میں نہیں ہوں۔''

''نہیں... آپ اس وقت شاہ پور میں ہیں۔''

''اوہ!'' اس نے چونک کر کہا۔

''اور اب آپ اپنا نام بھی بتا دیں۔''

''مم... میں راحیل ٹوجی ہوں۔''

''شکریہ! اب ہم آپ کے گھر والوں کو اطلاع دینے کے قابل ہو گئے ہیں... ہم سیدھے وہیں جا رہے ہیں۔''

''اچھی بات ہے... کیا باہر میری حفاظت کا انتظام ہے؟''

''نہیں... کیا آپ واقعی خطرہ محسوس کر رہے ہیں۔''

''ہاں! ہو سکتا ہے، وہ لوگ مجھے تلاش کرتے ہوئے یہاں تک آ جائیں۔''

''خیر . . . ہم ڈاکٹر صاحبان سے بات کرتے ہیں۔''

تینوں باہر نکلے... اور ایمرجنسی وارڈ کے دفتر میں داخل ہو گئے...

''آپ... آپ وہی تو ہیں جو اس زخمی کو لے کر آئے تھے... اور پولیس جنھیں پکڑ کر لے گئی تھی۔''

''جی ہاں! ہم سو فیصد وہی ہیں، پولیس غلط فہمی کی بنا پر پکڑ کر لے گئی تھی... آپ سے عرض یہ ہے کہ اس زخمی کی زندگی

خطرے میں ہے۔"

"کیا مطلب... کیا اس کی حالت پھر خراب ہو گئی ہے؟"

"جی نہیں... یہ بات نہیں ہے... اس کے پیچھے دشمن لگے ہوئے تھے... انھوں نے ہی اسے گولیاں ماری ہیں، اب اس کا خیال ہے کہ وہ لوگ اسے تلاش کرتے یہاں تک بھی آ جائیں گے... اور ایک بار پھر اس پر حملہ کرنے کی کوشش کریں گے... مطلب یہ کہ اس کے کمرے کے باہر پولیس کا پہرہ ہونا چاہیے۔"

"اچھی بات ہے... میں پولیس اسٹیشن کو فون کیے دیتا ہوں، اور کچھ۔"

"جی بس... شکریہ... اب ہم اس کے گھر والوں کو اطلاع دینے جا رہے ہیں... وہی ہسپتال کے اخراجات وغیرہ ادا کریں گے۔"

"ہوں! ٹھیک ہے... کوئی بات نہیں۔" ڈاکٹر نے کہا۔

"کیا اس کے جسم سے گولیاں نکال لی گئی ہیں؟"

"ہاں... آپریشن کے ذریعے گولیاں نکالی گئی ہیں، خون بہت بہہ گیا تھا، خون بھی دیا گیا ہے... اب وہ خطرے سے باہر ہے۔"

"شکریہ ڈاکٹر صاحب... اب ہمیں اجازت دیں۔"

"اچھی بات ہے۔" ڈاکٹر نے ان سے ہاتھ ملایا اور وہ باہر نکل آئے۔

"اب دارالحکومت کس طرح پہنچیں... کسی گاڑی یا بس سے جائیں گے تو بہت وقت لگ جائے گا۔"

"تو پھر ٹیکسی ہی سے چلتے ہیں۔" فرزانہ بولی۔

"بالکل ٹھیک۔"

انھوں نے ایک ٹیکسی لی اور روانہ ہو گئے... دارالحکومت پہنچ کر انھوں نے سید ھارحمانیہ محلے کا رخ کیا... گلی نمبر 9 اور اس میں مکان نمبر 27 تلاش کرنے میں انھیں کوئی دقت نہ ہوئی... ٹیکسی کو انھوں نے سڑک پر ہی رخصت کر دیا، کیونکہ اب وہ شہر میں تھے اور یہاں سے با آسانی دوسری ٹیکسی پکڑ سکتے تھے... دروازہ فوراً ہی کھلا اور ایک نوجوان آدمی کی صورت نظر آئی:

"راحیل ٹو جی یہیں رہتے ہیں نا؟"

"ہاں، کیوں... کیا بات ہے؟" اس نے چونک کر پوچھا۔

"انھیں کسی نے شدید زخمی کر دیا ہے... ہم نے انھیں شدید زخمی حالت میں شاہ پور کے ایک پرائیویٹ ہسپتال تک پہنچایا ہے۔"

"اوہ... یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں... مہربانی فرما کر اندر آ جائیے، تفصیل سے حالات سنائیے... تاکہ ہم انتظام کر کے روانہ ہوں۔" اس نے راستہ دیتے ہوئے کہا۔

تینوں اس کے ساتھ ایک کمرے میں آ گئے... اسی وقت تین نوجوان آدمی اور کمرے میں آ گئے:

"راحیل کو کسی نے زخمی کر دیا ہے۔" پہلے نے انھیں بتایا۔

"اوہ! ہمیں پہلے ہی اس بات کا خطرہ تھا" تین میں سے ایک بولا۔

"جی کیا مطلب... پہلے سے خطرہ تھا" فرزانہ چونک کر بولی۔

"جی ہاں! اس نے کچھ لوگوں کو اپنا دشمن بنا لیا تھا... ہم نے اسے بہت سمجھایا، لیکن اس نے ہماری سنی ہی نہیں۔"

"کیا وہ آپ کے بھائی ہیں؟"

"ہاں! بڑے بھائی۔"

"ہم بہت دور سے آ رہے ہیں، پہلے یہاں سے راحیل صاحب کو لے کر شاہ پور پہنچے... اب وہاں سے یہاں... ہمیں شام کی چائے تک نصیب نہیں ہوئی، نہ ہم نے اب تک رات کا کھانا کھایا، کیا آپ ہمیں کھانے کے لیے کچھ دے سکتے ہیں۔" فرزانہ نے معصومانہ انداز میں کہا۔

محمود اور فاروق نے اس کی طرف حیرت اور ناپسندیدگی کی نظروں سے دیکھا... یہ تو خیر ٹھیک تھا کہ انھوں نے شام کی چائے تک نہیں پی تھی اور نہ رات کا کھانا نصیب ہوا تھا، لیکن اب تھوڑی دیر بعد وہ گھر پہنچنے ہی والے تھے، پھر ایسی صورت میں بھلا ان لوگوں سے کھانا مانگنے کی کیا ضرورت تھی... یہ کس قدر گری ہوئی حرکت فرزانہ سے سرزد ہوئی تھی اور پھر ان لوگوں کو تو انھوں نے ایک بُری خبر سنائی تھی... انھیں تو فوری طور پر شاہ پور کے لیے روانہ ہونا تھا... ایسے میں وہ بے چارے انھیں کیا کھلاتے پلاتے... ابھی وہ فرزانہ کو اچھی طرح گھور بھی نہیں پائے تھے کہ ان میں سے ایک نے کہا:

"افسوس! اس وقت تو ہم آپ لوگوں کی کوئی بھی خدمت نہیں کر سکتے... یوں بھی ہمیں راحیل کی پریشانی ہے۔"

"اوہ ہاں... ٹھیک تو ہے... اچھا خیر... اب ہم چلیں گے۔" محمود جلدی سے بولا۔

"کم از کم آپ ہمیں چائے تو پلا سکتے ہیں۔" فرزانہ بھی جلدی سے بولی۔

"افسوس! ہم اس وقت چائے پلانے کی پوزیشن میں بھی نہیں ہیں۔"

"کوئی بات نہیں بھئی... آؤ فرزانہ اب چلیں۔" محمود نے تلملا کر کہا۔ اسے فرزانہ پر بہت غصہ آ رہا تھا۔ اس قدر گھٹیا حرکت اس سے کبھی سرزد نہ ہوئی ہوگی۔

آخر وہ باہر نکل آئے اور باہر آتے ہی محمود فرزانہ پر اُلٹ پڑا:

"یہ تم نے کیا کیا فرزانہ... ہمارے سر شرم سے جھکا دیے تم نے۔"

"اس حد تک جھکا دیے کہ اب شاید ہی اوپر اُٹھ سکیں گے۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"اوہو... ایسا میں نے کیا کر دیا ہے۔"

"اچھا... کچھ کیا ہی نہیں تم نے... یہ تم اتنی بھوکی کب سے ہو گئیں... ذرا دیر کے لیے صبر نہیں کر سکیں... اب ہمیں گھر پہنچنے میں دیر ہی کتنی لگے گی۔" محمود نے جھلا کر کہا۔

"بہت دیر لگے گی۔" فرزانہ مسکرا کر بولی۔

"ہاں اور کیا... ٹیکسی دو اڑھائی کلومیٹر کا فاصلہ پانچ چھ گھنٹے میں ہی تو طے کرے گی۔" فاروق بولا۔

"فرزانہ... کہیں آج تمہارا دماغ تو نہیں چل گیا۔" محمود بولا۔

"اور یہ تم چلتے چلتے رُک کیوں گئی ہو... یا تو اتنی بھوک لگ رہی تھی... یا اب قدم بھی نہیں اُٹھا رہیں۔"

"بھوک شاید مر گئی۔" فرزانہ بڑبڑائی۔

"اتنی جلدی مر بھی گئی... کمال ہے۔" فاروق حیران ہو کر بولا۔

"ہاں! تم جانا چاہو تو جا سکتے ہو... میں اس مکان کے آس پاس ہی رہوں گی۔"

"کیا مطلب؟" محمود اور فاروق ایک ساتھ چونک کر بولے۔ (جاری ہے)

زخمی

اشتیاق احمد

قسط نمبر 13

"میں نے اس مکان کے اندر کوئی ہلکی سی آواز نہیں سنی... نہ کسی عورت کی، نہ بچے کی... یہی دیکھنے کے لیے میں نے کھانا اور چائے مانگی تھی... گھر میں عورتیں ہوتیں تو ان کے لیے کھانا یا چائے پیش کرنا کچھ مشکل نہ ہوتا... لیکن اگر اس گھر میں صرف مرد حضرات ہی رہتے ہیں، تب پھر وہ کھانا کسی ہوٹل سے کھاتے ہوں گے۔"

"ہو سکتا ہے، یہی بات ہو... تب پھر اس سے کیا فرق پڑتا ہے... کیا کسی گھر میں صرف مرد نہیں رہ سکتے۔"

"نہیں جس گھر میں پانچ مرد موجود ہوں... ان میں سے کوئی ایک یا دو تو شادی شدہ ضرور ہونے چاہئیں... یا پھر ان کی ماں بہنیں وغیرہ ہونی چاہئیں... لیکن اس گھر میں ان پانچ مردوں کے سوا کوئی نہیں رہتا... اگرچہ یہ صرف میرا اندازہ ہے... یا محسوسات ہیں، جو غلط بھی ہو سکتے ہیں، تاہم میں ابھی یہاں سے نہیں جاؤں گی۔"

"آخر تم یہاں رُک کر کیا کرنا چاہتی ہو؟"

"یہ دیکھنا کہ ان میں سے کوئی شاہ پور کے لیے روانہ ہوتا ہے یا نہیں۔"

"اوہ!" محمود اور فاروق کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔ وہ فرزانہ کو گھورنے لگے۔ آخر محمود بولا:

"اس میں کوئی شک نہیں... تم عقل میں ہم سے دو ہاتھ آگے ہو۔"

"کیا بات کرتے ہو محمود... صرف دو ہاتھ... میں تو کہتا ہوں... یہ سو ہاتھ آگے ہے۔"

"بس... باتیں نہ بگھارو... اور یہاں کھڑے رہنا بھی مناسب نہیں... ہمیں کسی تاریک گوشے میں کھڑے ہو جانا چاہیے۔" فرزانہ نے بھنا کر کہا۔

اور وہ ایک گوشے میں سرک آئے... ایک گھنٹہ گزر گیا، لیکن اس مکان سے کوئی بھی باہر نہ نکلا۔

"اب کیا خیال ہے؟" فرزانہ مسکرائی۔

"ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے ان کا شاہ پور جانے کا قطعاً کوئی ارادہ نہ ہو۔"

"ہاں... یہی بات نظر آتی ہے۔"

"لیکن کیوں... راحیل ٹو جی تو ان کا بھائی ہے... ہم انھیں اس کے شدید زخمی ہونے کی اطلاع دے چکے ہیں، پھر آخر یہ لوگ کیوں نہیں گئے... اس قسم کے حالات میں تو لوگ سارے کام بھول جاتے ہیں اور ہسپتال کی طرف دوڑ پڑتے ہیں۔"

"تو پھر کیا خیال ہے... ہم پھر ان کا دروازہ کھٹکھٹائیں۔" فرزانہ بولی۔

"لیکن کہیں گے کیا؟" محمود حیران ہو کر بولا۔

"کچھ نہ کچھ تو کہہ ہی لیں گے... آؤ میرے ساتھ۔" یہ کہہ کر فرزانہ آگے بڑھی۔ دروازے پر پہنچ کر دستک دی۔ دروازہ ایک بار پھر کھلا اور وہی آدمی نظر آیا۔ انھیں دیکھ کر وہ چونک اُٹھا، چہرے پر اُلجھن کے آثار دوڑ گئے۔

"کیوں بھئی... آپ لوگ پھر آ گئے۔"

"دراصل ہم راحیل صاحب کے بارے میں بہت پریشان ہیں... ایک بات بتانا آپ کو بھول گئے تھے... وہ بعد میں یاد آئی تو پھر یہاں آ گئے... یہ ہمارا فرض ہے کہ وہ بات آپ کو بتا دیں۔"

"ضرور ضرور... آپ نے بہت تکلیف کی... شکریہ... بتائیے وہ کیا بات ہے۔" اس نے کہا۔

"راحیل صاحب نے کہا تھا... وہ خطرے میں ہیں، حملہ آور ہسپتال بھی پہنچ سکتے ہیں۔"

"اوہ!" اس نے گھبرا کر کہا۔

"آپ میں سے ایک یا دو بھائی تو اس وقت تک روانہ ہو بھی چکے ہوں گے۔" فرزانہ بولی۔

"ہاں! میرے دو بھائی جا چکے ہیں۔"

"لیکن انھیں یہ بات معلوم نہیں... پتا نہیں راحیل صاحب انھیں ہوش میں ملتے ہیں یا نہیں... اور یہ بات انھیں بتا پاتے ہیں یا نہیں... اس لیے بہتر یہی ہو گا کہ آپ میں سے ایک یا دو اور وہاں چلے جائیں... اس طرح ان کی حفاظت کا بھی انتظام ہو جائے گا۔"

"ضرور ضرور... کیوں نہیں... ہم بالکل ایسا ہی کریں گے... آپ کا بہت بہت شکریہ۔"

وہ وہاں سے ہٹ آئے... دروازہ بند کر دیا گیا۔

"آؤ بھئی... ذرا اس مکان کا ایک چکر لگا لیں، لیکن ہم میں سے ایک دروازے کی طرف ہی رہے گا... تاکہ معلوم ہو... کوئی ان میں سے کہیں جاتا ہے یا نہیں۔" فرزانہ بولی۔

فاروق کو وہیں چھوڑ کر فرزانہ اور محمود نے چکر لگایا، لیکن مکان سے نکلنے والا کوئی اور راستہ نظر نہ آیا۔

"اس کا مطلب ہے، اس نے جھوٹ بولا تھا... ان میں سے کوئی ایک بھی شاہ پور نہیں گیا۔" محمود نے پلٹتے ہوئے کہا۔

"بالکل یہی بات ہے اور میں یہاں رُک کر یہی دیکھنا چاہتی تھی۔"

"اور اب کیا پروگرام ہے؟"

"ہم ایک اور گھنٹہ یہاں رُکیں گے... ذرا دیکھیں تو سہی، اب بھی کوئی جاتا ہے یا نہیں۔"

"جیسے تمہاری مرضی۔"

دونوں فاروق کے پاس پہنچ گئے... اسے بھی بتایا گیا کہ نکلنے کا کوئی اور راستہ نہیں، پھر ایک گھنٹہ اور گزر گیا، لیکن کوئی

بھی باہر نہ نکلا:

"نہیں بھئی... ان لوگوں کا شاہ پور جانے کا کوئی پروگرام نہیں... شاید انھیں راحیل ٹو جی سے کوئی ہمدردی نہیں ہے... محمود تم ذرا دفتر فون کر کے اس مکان کے نمبر نوٹ کرا دو... اب اس گھر کی باقاعدہ نگرانی بہت ضروری ہے۔"

"ہاں! یہ ٹھیک ہے۔"

محمود نے ایک پبلک فون بوتھ سے دفتر فون کیا اور ان کے پاس آ گیا، آدھ گھنٹے بعد ہی ایک سادہ لباس والا شخص وہاں پہنچ گیا... انھوں نے اسے ہدایات دیں اور گھر کی طرف روانہ ہو گئے۔

گھر پہنچے تو ان کی امی نے انھیں بتایا۔

"تمہارے ابا جان تو تمہاری تلاش میں شاہ پور گئے ہوئے ہیں۔"

"اوہ!" ان کے منہ سے نکلا۔

"تب ہم بھی یہاں ٹھہر کر کیا کریں گے۔ کیوں نہ کھانا کھا کر پھر شاہ پور کے لیے روانہ ہو جائیں۔" فرزانہ نے فوراً کہا۔

"یہ ٹھیک رہے گا۔"

"توبہ ہے... ایسی بھی کیا سرگرمی... اتنی بھاگ دوڑ کے بعد گھر پہنچے اور اب پھر جا رہے ہو۔" بیگم جمشید نے بھنا کر کہا۔

"بات دراصل یہ ہے امی جان کہ ایک شخص کی زندگی خطرے میں ہے... ہم اس کی زندگی بچانے کی کوشش کر رہے ہیں، جب کہ خود اس شخص کے بھائی اس کی جان بچانے کے لیے کوئی کوشش کرنے کو تیار نہیں ہیں۔"

"خیر... تم جانو... تمہارا کام۔"

انھوں نے کھانا کھایا اور ایک بار پھر شاہ پور کی طرف روانہ ہو گئے... معاملے کا سر پیر ابھی تک ان کی سمجھ میں نہیں آیا تھا۔

"ایسا معلوم ہوتا ہے، جیسے یہ کوئی بہت گہرا چکر ہو۔" فرزانہ بڑبڑائی۔

"ایسا تو ہمیں ہر کیس میں معلوم ہوتا ہے۔" فاروق مسکرایا۔

"دھت تیرے کی... جواب دینے کے لیے تلے رہتے ہو۔" محمود نے جھلا کر ران پر ہاتھ مارا۔

"اور تمہارا اپنے بارے میں کیا خیال ہے... کیا تم ران پر ہاتھ مارنے کے لیے تلے نہیں رہتے... کیا فرزانہ جلنے بھنے پر تلی نہیں رہتی... اور تو اور امی جان کیا کھانا گرم کرنے پر تلی نہیں رہتیں اور ابا جان کیا مجرموں کے خلاف دن رات ایک کرنے پر تلے نہیں رہتے۔" فاروق کہتا جا رہا تھا کہ محمود گھبرا اُٹھا۔

”بس بس... اتنا ہی کافی ہے۔“

تھوڑی دیر بعد وہ ایک بار پھر ہسپتال کی طرف بڑھ رہے تھے۔

(جاری ہے)

زخمی

اشتیاق احمد

قسط نمبر 14

انسپکٹر جمشید کے اندر داخل ہوتے ہی وہ ڈاکٹر بُری طرح اُچھلا... پہلے تو اس کے چہرے پر خوف کے آثار نمودار ہوئے اور پھر غصے کے ساتھ ہی اس نے چیخ کر کہا:

''کون ہو تم اور اندر کیوں داخل ہوئے؟''

''اس کا جواب تو میں بعد میں دوں گا، پہلے تم بتاؤ... یہ تم کیا کر رہے تھے؟''

''کیا کر رہا تھا... میں مریض کو انجکشن لگا رہا تھا'' اس نے بھنا کر کہا۔

''جھوٹ بولتے ہو... تم اس کا گلا گھونٹ رہے تھے، میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا، تالے کے سوراخ میں سے... دیکھو، ابھی تک اس کا سانس بحال نہیں ہو سکا... تم کون ہو... جلدی بتاؤ''

''ضرور تمہارا دماغ چل گیا ہے... میں ہسپتال کا ڈاکٹر ہوں اور مریض کو انجکشن لگا رہا تھا... تم نے تالے کے سوراخ میں سے غلط دیکھا تھا... میں نے اس کے گلے کے گرد سے کپڑے ضرور ہٹائے تھے... تاکہ اسے سانس لینے میں دقت نہ ہو'' اس نے جلدی جلدی کہا۔

''غلط کہتے ہو... جھوٹ بولتے ہو... تم اس کا گلا دبانے کے لیے پورا زور لگا رہے تھے... خیر تم یوں کرو کہ ہاتھ اوپر اٹھا دو... تمہیں گرفتار کرنا ہوگا۔''

یہ کہتے ہوئے انھوں نے جیب میں ہاتھ ڈال دیا، ارادہ تھا پستول نکالنے کا، لیکن اس سے پہلے ہی وہ ڈاکٹر پستول نکال چکا تھا... اس نے اندھا دھند انداز میں فائر جھونک مارا... فائر کی آواز گونج اُٹھی... انسپکٹر جمشید منہ کے بل گرے.. ان کے پیچھے کھڑے ایس پی منظور اور انسپکٹر سجاد بھی دھڑام سے گرے... انسپکٹر جمشید لڑھکتے ہوئے اس کے نزدیک پہنچ گئے... اور اس سے پہلے کہ وہ دوسرا فائر کر سکتا.. ان کے دونوں پیر اس کے سینے پر پڑے، وہ دوسری طرف اُلٹ گیا، لیکن اُلٹتے اُلٹتے بھی فائر جھونک مارا... اس بار گولی انسپکٹر جمشید کے سر پر سے گزر گئی... اور انسپکٹر سجاد کے شانے کو چھوتی نکل گئی... اس نے ایک چیخ ماری اور دھڑام سے گرا، کیونکہ اس وقت تک وہ دونوں بھی اُٹھ چکے تھے۔

ساتھ ہی انھوں نے دوڑتے قدموں کی آواز سنی... نقلی ڈاکٹر بوکھلا گیا... اس نے دروازے کی طرف ایک چھلانگ لگائی، لیکن انسپکٹر جمشید نے ٹانگ آگے کر دی... وہ دھڑام سے گرا، گرتے ہی پھر اُٹھا اور دروازے سے باہر چھلانگ لگا دی... انسپکٹر جمشید نے بھی اس کے پیچھے چھلانگ لگائی... گولیاں چلنے کی آواز سن کر دوڑ کر آنے والے لوگ کائی کی طرح چھٹ گئے... اور انھیں راستہ دے دیا... اچانک ایک فائر ہوا، نقلی ڈاکٹر کے منہ سے ایک دل دوز چیخ نکلی

اور وہ برآمدے میں گر کر تڑپنے لگا... انسپکٹر جمشید نے فوری طور پر اندازہ لگانے کی کوشش کی کہ گولی کس طرف سے آئی... لیکن کچھ پتا نہ چل سکا... نہ ہی انھوں نے کسی کو بھاگتے دیکھا... گویا جس نے بھی نقلی ڈاکٹر کا کام تمام کیا تھا، اس نے پورے اطمینان سے یہ کام کیا تھا۔

"ایس پی صاحب... فوراً دروازے پر پہنچیے... انسپکٹر سجاد... آپ پچھلے دروازے پر... تلاشی کے بغیر کسی کو باہر نہ جانے دیا جائے، قاتل کے پاس پستول موجود ہے۔"

ایس پی منظور اور انسپکٹر سجاد دوڑ پڑے... انسپکٹر جمشید نے نقلی ڈاکٹر کے قریب پہنچ کر دیکھا، وہ دم توڑ چکا تھا... وہ واپس پلٹے اور زخمی کے کمرے میں پہنچے... ایک ڈاکٹر اس کا سانس بحال کرنے کی کوشش کر رہا تھا اور اسے کامیابی بھی حاصل ہو چکی تھی:

"یہ اب صرف بے ہوش ہے... سانس ٹھیک طرح لے رہا ہے، جلد ہوش میں آجائے گا۔"

"بہت خوب! یہ جس قدر جلد ہوش میں آجائے، بہتر ہے۔" وہ بولے اور ایک کرسی پر بیٹھ گئے۔

ادھر ہسپتال میں موجود لوگ بدحواسی کے عالم میں دروازوں پر ٹوٹ پڑے تھے... اور جلد سے جلد باہر نکل جانے کی کوشش کر رہے تھے... ایس پی منظور اور انسپکٹر سجاد کو ان لوگوں کی تلاشی لینے کے سلسلے میں کافی دقت پیش آ رہی تھی، کیونکہ ان کے پاس ماتحت عملہ نہیں تھا... آخر پولیس موقعے پر پہنچ گئی... شاید ہسپتال کے ڈاکٹر نے فون کیا تھا... ان میں وہ سب انسپکٹر بھی تھا جسے ابھی تھوڑی دیر پہلے ترقی دی گئی تھی... اس نے آتے ہی ایس پی منظور اور انسپکٹر سجاد کی مدد شروع کر دی... یہاں تک کہ مریضوں کے علاوہ ہسپتال میں جتنے بھی لوگ تھے... سب چلے گئے، لیکن پستول کسی کے پاس سے برآمد نہ ہوا... کانسٹیبلوں کو دروازوں پر چھوڑ کر ایس پی منظور اور انسپکٹر سجاد زخمی کے کمرے میں پہنچے:

"کیوں جناب... کیا رہا؟"

"پستول تو کسی کے پاس سے بھی برآمد نہیں ہوا۔"

"ہوں... اس کا مطلب ہے... اس نے فائر کرنے کے بعد پستول پھینک دیا ہوگا... وہ ضرور ہسپتال کے باغیچے میں یا کسی کوڑے کے ڈرام میں پڑا ہوگا۔"

"اوہ ہاں... اس کے علاوہ بھلا کیا ہو سکتا ہے، میں ابھی تلاش کراتا ہوں۔"

عین اسی وقت کسی نے سرسراتی آواز میں کہا:

"ملک دلمیر آ رہے ہیں۔"

ایس پی منظور اور انسپکٹر سجاد کے رنگ اُڑ گئے... انسپکٹر جمشید نے یہ بات صاف محسوس کی:

"گھبرانے کی ضرورت نہیں... آپ اپنا کام کریں گے۔"

''اچھا!'' ایس پی منظور نے کہا اور انسپکٹر سجاد کے ساتھ چلا گیا۔ اسی وقت ایک گرج دار آواز ان کے کانوں سے ٹکرائی:

''یہ کیا... تم دونوں یہاں کس سلسلے میں نظر آ رہے ہو، تمھیں تو ملازمت سے نکال دیا گیا ہے۔''

''انسپکٹر جمشید ہمیں اپنے ساتھ لے کر یہاں آ گئے تھے۔'' ایس پی منظور نے جواب دیا۔

''وہ کون ہوتے ہیں تمھیں ڈیوٹی دینے والے۔''

''انھوں نے ہمیں ڈیوٹی ہر گز نہیں دی۔'' انسپکٹر سجاد نے فوراً کہا۔

''کہاں ہیں وہ۔''

''اس کمرے میں... جس میں زخمی کو رکھا گیا ہے۔''

''ملک دلمیر کے قدم اس کمرے کی طرف اُٹھنے لگے۔

''انسپکٹر جمشید... یہ کیا ہو رہا ہے؟''

''ایک زخمی شخص کی حفاظت۔'' انھوں نے جواب دیا۔

''آپ کی ڈیوٹی جہاں ہے، آپ وہاں جائیں... اس شہر کے معاملات میں دخل اندازی نہ کریں۔''

''جی بہتر... چلا جاتا ہوں۔'' انھوں نے اُٹھے بغیر کہا۔

''تو چلے جایئے نا... بیٹھے کیوں ہیں۔''

''میں اس زخمی کے ہوش میں آنے کا انتظار کر رہا ہوں... تاکہ معلوم ہو سکے... آخر یہ کیا چکر ہے... لوگ اس کی جان کے دشمن کیوں بنے ہوئے ہیں۔''

''یہ بات ہم جان لیں گے... آپ کو کوئی ضرورت نہیں۔''

''شاید آپ نہیں جانتے... اسے میرے تینوں بچے جنگل سے اُٹھا کر لائے تھے... اور اسی سلسلے میں ان پر آپ کی کار کی چوری کا الزام عاید کیا گیا ہے... ان پر سے اس الزام کو دھوڈالنا میرا فرض ہے، اسی سلسلے میں، میں اس زخمی کا بیان لینا چاہتا ہوں۔''

''یہ ہمارا کام ہے... آپ تشریف لے جا سکتے ہیں۔''

''افسوس... میں نہیں جا سکتا۔''

انسپکٹر جمشید بولے۔

''کیا کہا... آپ نہیں جا سکتے... یہ کیسے ہو سکتا ہے۔''

''میں اس شخص سے بات کیے بغیر نہیں جاؤں گا... ڈاکٹر صاحب کا کہنا ہے کہ یہ جلد ہوش میں آنے والا ہے۔''

''جب کہ میں چاہتا ہوں، آپ یہاں سے چلے جائیں۔''

''یہ نہیں ہو سکتا۔''

''اچھا... میں دیکھتا ہوں... یہ کیسے نہیں ہو سکتا۔'' یہ کہہ کر ملک دلمیر کمرے سے نکل گیا۔

ہسپتال کی فضا پر ایک سنسنی خیز لہر دوڑ گئی... یوں لگا جیسے سب کو سانپ سونگھ گیا ہو... آخر ملک دلمیر، سب انسپکٹر اور کچھ کانسٹیبلوں کو ساتھ لے کر پھر اس کمرے میں داخل ہوا اور دھاڑ کر بولا:

''انسپکٹر... اس شخص کو ہسپتال سے باہر نکال دو۔''

''جج... جی۔'' سب انسپکٹر کانپ اُٹھا۔

(جاری ہے)

زخمی

اشتیاق احمد

قسط نمبر 15

''تم نے سنا نہیں، میں نے کہا ہے، اسے باہر نکال دو۔''

''انسپکٹر صاحب... مہربانی فرما کر آپ باہر چلے جائیے۔''

''آخر کیوں... ان صاحب کا کیا حرج ہے... اگر میں اس زخمی کے پاس بیٹھا رہوں۔''

''یہ میں کچھ نہیں جانتا... میں ملک صاحب کے احکامات کی تعمیل کرنے پر مجبور ہوں۔''

''لیکن میں آپ کے احکامات ماننے پر مجبور نہیں ہوں۔'' انسپکٹر جمشید تیز لہجے میں بولے۔

''سب انسپکٹر نے سوالیہ نظروں سے ملک دلمیر کی طرف دیکھا... جیسے کہہ رہا ہو:

''اب کیا کیا جائے جناب۔''

''دیکھ کیا رہے ہو... انھیں اُٹھا کر ہسپتال سے باہر چھوڑ آؤ۔'' ملک دلمیر گرجا۔

سب انسپکٹر اپنے کانسٹیبلوں کے ساتھ انسپکٹر جمشید کی طرف بڑھا... باقی تمام لوگ سکتے کے عالم میں کھڑے یہ حیرت انگیز منظر دیکھ رہے تھے... سب سے زیادہ ردی حالت ایس پی منظور اور انسپکٹر سجاد کی تھی... ان کی حالت دیکھ کر یوں محسوس ہوتا تھا جیسے کاٹو تو بدن میں لہو نہیں۔

''خبردار انسپکٹر صاحب... مجھے ہاتھ لگانے سے پہلے اس اجازت نامے کو دیکھ لیں۔'' انسپکٹر جمشید نے کوٹ کی اندرونی جیب سے اجازت نامہ نکال کر اس کے سامنے لہرایا۔ وہ ٹھٹک کر رُک گیا اور کاغذ ان کے ہاتھ سے لے لیا۔

جونہی اس نے اجازت نامہ پڑھا، اس کے چہرے کا رنگ سفید پڑ گیا، تھر تھر کانپتی آواز میں ملک دلمیر سے بولا:

''س... سر... سر یہ... یہ دیکھیے۔''

''یہ کیا ہے۔'' ملک دلمیر نے منہ بنا کر کہا اور پھر کاغذ لے کر پڑھا، اس کا رنگ بھی اُڑ گیا۔ چہرے پر شدید تلملاہٹ کے آثار نمودار ہو گئے، پھر گرج کر بولا:

''میں ابھی دیکھ لیتا ہوں اس اجازت نامے کو... ڈاکٹر صاحب فون کہاں ہے؟'' اس نے پاس کھڑے ڈاکٹر کی طرف دیکھا۔

''اس طرف جناب۔'' ڈاکٹر گھبرا کر بولا۔

ملک دلمیر فون کی طرف چلا گیا... انسپکٹر جمشید زخمی کی طرف متوجہ ہو گئے... عین اسی لمحے اس نے آنکھیں کھول دیں... انسپکٹر جمشید اس پر جھک گئے:

''مسٹر... تمہارا کیا نام ہے... تمہیں کس نے زخمی کیا اور کس جگہ... کیا تم کچھ بتا سکتے ہو؟''

''کک... کیا ابھی تک میرے ساتھی نہیں آئے؟'' اس نے پوچھا۔

''نہیں... یہاں تمہارا کوئی واقف ابھی تک نہیں پہنچا... آخر یہ سب کیا چکر ہے۔''

عین اسی وقت ملک دلمیر کی دھاڑ سنائی دی:

''انسپکٹر جمشید... گورنر صاحب آپ سے بات کرنا چاہتے ہیں۔'' انھوں نے بھنا کر دروازے کی طرف دیکھا، پھر ایس پی منظور کی طرف مڑے:

''آپ اس کا خیال رکھیے گا... کوئی اس پر حملہ کرنے کی کوشش نہ کر پائے۔''

''اچھا... آپ فکر نہ کریں۔'' اس نے کہا۔

انسپکٹر جمشید باوقار انداز میں چلتے فون کی طرف بڑھے... اس وقت سبھی کی نظریں ان پر جمی تھیں... سنسنی خیز لمحات تھے... لوگوں کے دل دھک دھک کر رہے تھے... انسپکٹر جمشید نے فون کا ریسیور اٹھا کر کان سے لگا لیا اور بولے:

''یس سر! انسپکٹر جمشید بول رہا ہوں۔''

''بھئی جمشید صاحب... ملک دلمیر صاحب جو کہتے ہیں، وہ کریں۔''

''جی کیا مطلب؟'' انسپکٹر جمشید چونک کر بولے۔

''میں نے یہی کہا ہے... جو وہ کہتے ہیں، وہ کریں۔''

''لیکن سر! میں ایک معاملے کی تفتیش کر رہا ہوں... اور وہ اس تفتیش میں دخل اندازی کر رہے ہیں، جب کہ انھیں ایسا کرنے کی کوئی ضرورت بھی نہیں ہے... ان حالات میں، میں پیچھے کس طرح ہٹ سکتا ہوں، جب کہ میرے پاس صدر صاحب کا اجازت نامہ موجود ہے کہ میں ملک کے کسی بھی معاملے میں دخل اندازی کر سکتا ہوں... مجھے کوئی روک نہیں سکتا۔''

''میں جانتا ہوں جمشید... تمہارے پاس صدر صاحب کا اجازت نامہ ہے... لیکن میں درخواست کروں گا... اس وقت وہی کرو، جو ملک دلمیر کہتا ہے۔''

''سوری سر! میں ایسا نہیں کر سکتا۔''

''یہ تم کیا کہہ رہے ہو جمشید۔''

''یس سر... میں مجبور ہوں... اس وقت میں جو کام کرنا چاہتا ہوں... اس کی بہت اہمیت ہے... میں پیچھے نہیں ہٹ سکتا... ہاں، ایک صورت میں ضرور اس معاملے سے ہاتھ اٹھا سکتا ہوں... یہ کہ صدر صاحب میرا یہ اجازت نامہ کینسل کر دیں۔'' یہ کہہ کر انسپکٹر جمشید نے ریسیور میز پر رکھ دیا اور کمرے کی طرف مڑ گئے۔

ملک دلمیر کے چہرے پر ایک رنگ آ رہا تھا تو دوسرا جا رہا تھا... آخر اس نے بھنا کر ریسیور اُٹھایا اور بولا:

''ہیلو طولانی صاحب... کیا رہا؟''

''انسپکٹر جمشید کسی طرح بھی ماننے پر تیار نہیں۔''

''پھر... اب میں کیا کروں۔''

''کیا انھیں ہسپتال سے نکالنا ضروری ہے۔''

''نہیں، لیکن اب یہ میری آن کا مسئلہ بن گیا ہے۔''

''تب پھر آپ صدر صاحب سے رابطہ قائم کریں، وہ اس وقت اپنی ذاتی رہائش گاہ پر موجود ہیں۔'' دوسری طرف سے کہا گیا۔

''میں جانتا ہوں۔'' یہ کہہ کر ملک دلمیر نے سلسلہ کاٹا اور صدر کے نمبر گھمانے لگا۔ آخر پندرہ منٹ بعد سلسلہ قائم ہوا۔

ادھر انسپکٹر جمشید زخمی کا بیان لکھ رہے تھے... وہ جلدی جلدی بول رہا تھا... اور وہ نوٹ کر رہے تھے... انھوں نے زخمی کو یہ احساس دلا دیا تھا کہ لمحات بہت نازک ہیں... اسے چاہیے کہ جلد از جلد بیان لکھوا دے۔

اور دوسری طرف سلسلہ مل گیا... ملک دلمیر نے بات چیت شروع کی... آخر ایک بار پھر اس نے گرج دار آواز میں کہا:

''انسپکٹر جمشید... آپ کو صدر صاحب فون پر بلا رہے ہیں۔''

بیان کا سلسلہ درمیان میں چھوڑ کر انھیں اُٹھنا پڑا... ریسیور اُٹھاتے ہوئے انھوں نے کہا:

''یس سر... آپ کا خادم بول رہا ہوں۔''

''جمشید... یہ آپ شاہ پور کس طرح پہنچ گئے... آپ تو میرے معاملے کی تفتیش کر رہے تھے۔''

''یہ ایک بہت اُلجھا ہوا معاملہ ہے سر... ابھی حاضر ہو کر بتاؤں گا۔''

''ملک دلمیر کا کیا چکر ہے؟''

''ہم اس وقت ایک ہسپتال میں موجود ہیں... یہاں ایک زخمی کو محمود، فاروق اور فرزانہ نے داخل کرایا ہے... میں اس کا بیان لینا چاہتا ہوں، لیکن ملک دلمیر صاحب بیان لینے میں رکاوٹ ڈال رہے ہیں۔''

''لیکن کیوں... وہ ایسا کیوں چاہتے ہیں؟''

''میں نہیں جانتا سر۔''

''کیا سمجھوتے کی کوئی صورت ممکن نہیں۔''

''بیان لیا جانا بہت ضروری ہے سر... اس کے پیچھے لوگ موت کے سائے کی طرح لگے ہیں... آخر کیوں میں یہی جاننا چاہتا ہوں... لہٰذا بیان لینا بہت ضروری ہے، لیکن اگر آپ حکم فرمائیں گے تو پھر میں بیان نہیں لوں گا... ہاں، اس

صورت میں آپ کو میرا اجازت نامہ کینسل کرنا ہوگا۔"

"جمشید... یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔" صدر صاحب کے لہجے میں ناگواری در آئی۔

"کیا کروں سر... مجبور ہوں۔" انھوں نے کہا۔

"شاید آپ نہیں جانتے... ملک دلمیر کون ہے۔"

"جی ہاں... یہ ٹھیک ہے... میں نہیں جانتا۔" انھوں نے کہا۔

"میں بتاتا ہوں... ہمارا ملک جس بڑے ملک سے آج کل فوجی امداد حاصل کر رہا ہے... اس ملک کے صدر سے ملک دلمیر کے خاص تعلقات ہیں... کسی زمانے میں وہ کلاس فیلو رہے ہیں... اور اب بھی ان میں گہری دوستی ہے... ملک دلمیر کا ایک اشارہ ہمیں مشکلات میں ڈال سکتا ہے۔"

"جی!!!"

انسپکٹر جمشید سناٹے میں آ گئے... ان کے چہرے کا رنگ اُڑ گیا... سانس سینے میں اٹکتا محسوس ہوا... صدر صاحب کے الفاظ کا صاف مطلب یہ تھا کہ ملک دلمیر کے سامنے وہ بھی مجبور ہیں اور یہ ایک ایسا انکشاف تھا کہ انسپکٹر جمشید جیسا آدمی چکرا کر رہ گیا۔

ان کے کان سائیں سائیں کرنے لگے۔

(جاری ہے)

زخمی

اشتیاق احمد

قسط نمبر 16

چند لمحوں کے لیے دونوں طرف خاموشی طاری رہی، آخر صدر صاحب کی آواز اُبھری:

"ہیلو جمشید... آپ خاموش ہو گئے، میں جانتا ہوں، آپ کو یہ بات سن کر بہت دھچکا پہنچا ہو گا، لیکن جمشید آج کل کے بین الاقوامی حالات تو آپ جانتے ہی ہیں... بڑی طاقتیں کس
طرح چھوٹے ملکوں کو اپنے سیاسی مقاصد کے لیے استعمال کرتی رہتی ہیں اور کس طرح
ایک دوسرے کو لڑواتی رہتی ہیں... حکومتوں کے تختے اُلٹواتی رہتی ہیں... ان حالات میں ملک دلمیر سے دشمنی مول لینا مناسب نہیں ہو گا... اس لیے میں درخواست کرتا ہوں، آپ اس وقت درگزر سے کام لیں۔" یہاں تک کہہ کر صدر صاحب خاموش ہو گئے۔

"ٹھیک ہے سر! میں سمجھ گیا... وہی ہو گا جو آپ نے فرمایا۔" انھوں نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا:

"شکریہ جمشید! آپ بہت سمجھ دار ہیں... مجھے آپ سے یہی اُمید تھی... ملک دلمیر ایک اُجڈ آدمی ہے... بلاوجہ بات پر اَڑ جاتا ہے، مجھے اس کا احساس اچھی طرح ہے، لیکن ملک اور قوم کی بہتری اسی میں ہے کہ اسے نہ چھیڑا جائے... چھیڑے جانے کی صورت میں وہ ہمارے لیے زخمی سانپ کی طرح خطرناک ثابت ہو گا۔"

"مم... میں سمجھ گیا سر!" وہ بولے۔

"مہربانی فرما کر آپ ریسیور ملک دلمیر کو دے دیں۔"

"او کے سر!" انھوں نے کہا اور ریسیور ملک دلمیر کی طرف بڑھاتے ہوئے بولے:

"صدر صاحب سے بات کر لیں۔"

"تو میں جیت گیا نا۔"

"ہاں! اس میں کوئی شک نہیں، جیت آپ کی ہوئی ہے۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

لوگوں کے چہروں پر حیرت دوڑ گئی، کچھ چہروں پر حد درجے سکون بھی نظر آیا... یہ وہ لوگ تھے جو پہلے ہی ملک دلمیر کی فتح کے اُمیدوار تھے... اِدھر ملک دلمیر فون پر صدرِ مملکت سے بات کر رہے تھے:

"بہت بہتر جناب... میں خیال رکھوں گا۔" ان کی آواز سنائی دی اور پھر انھوں نے ریسیور رکھ دیا۔ ان کی طرف مڑے اور نرم آواز میں بولے:

"صدر صاحب نے مجھے بتایا ہے کہ آپ بھی بہت وطن پرست ہیں اور ہر وقت ملک اور قوم کے کام آنے والے ہیں،

مجھے بہت افسوس ہے کہ آپ کے ساتھ ضد کر بیٹھا، اُمید ہے، آپ محسوس نہیں کریں گے... لہٰذا اب آپ جا سکتے ہیں۔"

سب نے یہ الفاظ سنے، انسپکٹر جمشید نے سب پر ایک نظر ڈالی اور پھر پُر سکون آواز میں بولے:

"زخمی کی آنکھوں سے خوف ظاہر ہوتا میں نے صاف دیکھا ہے، یہ بات بھی میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ وہ مجھ سے کچھ کہنے کے لیے بے چین ہے... اگر آپ مجھے بات کرنے کی اجازت دے دیں تو یہ آپ کی فراخ دلی ہوگی، ہم دونوں کی ضد کے معاملے میں فتح پہلے ہی آپ کی ہو چکی ہے، یہ اجازت دے کر آپ مجھ پر ایک اور فتح حاصل کر لیں گے... کیا خیال ہے، اجازت ہے۔"

"انسپکٹر جمشید... اجازت دینے میں کوئی حرج نہیں، لیکن اب یہ میری آن کا مسئلہ بن چکا ہے... آپ اس موقعے پر زخمی سے بات کیے بغیر ہی جائیں گے... ہاں، کل یا پھر کسی وقت آ کر اس سے بات کر لیجیے گا، میں یہاں ہوں گا ہی نہیں۔"

"لیکن جناب... اس وقت تک شاید زخمی زندہ نہ ملے، کیونکہ کچھ لوگ اس کی جان کے دشمن بنے ہوئے ہیں، وہ ہر قیمت پر اسے جان سے مار ڈالنا چاہتے ہیں۔"

"فکر نہ کریں، اس کی حفاظت کا انتظام میں کیے دیتا ہوں۔"

"بہت اچھا... آپ کی مرضی... اب میں چلتا ہوں۔"

"اب آپ کو جانے کی ضرورت نہیں، معاملہ ختم ہو چکا ہے۔"

ایک آواز اُبھری... سب نے چونک کر ادھر اُدھر دیکھا، سب سے زیادہ حیرت انسپکٹر جمشید کے چہرے پر نظر آئی... کیونکہ آواز محمود کی تھی... پھر محمود، فاروق اور فرزانہ مجمعے میں سے نکل کر ان کے سامنے پہنچ گئے... انھیں دیکھ کر ملک دلمیر کے چہرے پر ناخوش گوار آثار نمودار ہو گئے۔

"لو... بڑے میاں تو بڑے میاں، چھوٹے میاں سبحان اللہ۔" انھوں نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"تم نے کیا کہا محمود۔" انسپکٹر جمشید حیران ہو کر بولے۔

"اب آپ کو یہاں سے جانے کی ضرورت نہیں، اور نہ کوئی جانے پر مجبور کر سکتا ہے۔" فاروق نے سرد آواز میں کہا۔

"یہ کیا بکواس ہے... صدر صاحب انسپکٹر جمشید کو حکم دے چکے ہیں۔" ملک دلمیر گرجا۔

"ضرور دے چکے ہیں، لیکن مشکل ایک اور ہے۔" فرزانہ مسکرائی۔

"مشکل ایک اور ہے... کیا مطلب... مشکل ایک اور ہو یا کئی اور ہوں، مجھے اس سے کیا... تم لوگوں کو فوری طور پر ہسپتال سے نکلنا ہوگا۔" انھوں نے جواب دیا۔

"دیکھا جائے گا... ہسپتال سے کون نکلتا ہے۔"

''انسپکٹر... یہ لوگ صدر صاحب کے حکم کی خلاف ورزی کر رہے ہیں، انھیں گرفتار کر لیا جائے۔'' ملک دلمیر نے حکم دیا۔

''بہت بہتر سر۔'' سب انسپکٹر نے کہا اور آگے بڑھا۔

''انسپکٹر صاحب بھی ہمیں گرفتار نہیں کر سکتے۔'' محمود بولا۔

''محمود... کچھ کہو بھی۔'' انسپکٹر جمشید بے تابانہ لہجے میں بولے۔

''جب ہم ہسپتال میں داخل ہوئے... آپ میں اور ملک دلمیر میں مقابلہ ہو رہا تھا.. ہم نے جلدی جلدی ساری بات کو بھانپا اور پھر زخمی کے کمرے کی طرف کھسک آئے.. اس وقت سب ہی مقابلہ دیکھنے میں لگے ہوئے تھے، زخمی بے چارہ کمرے میں تنہا تھا، ہمیں دیکھ کر اس کے چہرے پر رونق سی آگئی اور بول اُٹھا:

''شکر ہے... آپ آگئے... میری زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں... مجھے ختم کرنے کی پوری پوری کوشش کی جائے گی اور کی جا چکی ہے... اس لیے میرا بیان سن لیں۔

اندھے کو کیا چاہیے، دو آنکھیں، لہٰذا میں نے جلدی سے کہا:

''ضرور ضرور... کیوں نہیں، آپ سنائیے... ہم بغور سن رہے ہیں۔''

''لیکن میں چاہتا ہوں... میرا بیان ٹیپ کر لیا جائے۔'' زخمی بولا۔

''لیکن ہمارے پاس اس وقت ٹیپ کرنے کا کوئی سامان نہیں ہے۔'' میں نے مایوسانہ لہجے میں اس سے کہا۔

اس پر اس نے اپنی پتلون کی جیب سے ایک جیبی ٹیپ ریکارڈر نکال کر ہماری طرف بڑھا دیا، اس میں کیسٹ بھی لگی ہوئی تھی... اور بولا:

''مجھے پہلے ہی کچھ اندازہ تھا کہ ایسا موقع آسکتا ہے، اس لیے میں نے یہ جیب میں تیار کر لیا تھا.. اب مہربانی فرما کر میرا بیان غور سے سنیے۔''

''یہ کہہ کر اس نے اپنا بیان سنا ڈالا... اس کے بیان کی روشنی میں ہی تو ہم آپ سے کہہ رہے ہیں کہ آپ کو اب ہسپتال سے جانے کی کوئی ضرورت نہیں۔''

''بات ابھی تک پلے نہیں پڑی... آخر زخمی نے کیا بیان دیا ہے۔'' انسپکٹر جمشید بھنا اُٹھے۔

''بہت اہم... بلکہ بہت ہی اہم۔'' فاروق نے شوخ انداز میں کہا۔

''اور کیا آپ دیکھ نہیں رہے۔'' فرزانہ کہتے کہتے رُک گئی۔

''کیا دیکھ نہیں رہے۔'' وہ بولے۔

''یہ کہہ کر ہماری باتیں سن کر سنسنی کی لہر دوڑ گئی ہے... سب لوگ سکتے کے عالم میں کھڑے ہماری طرف دیکھ رہے

ہیں... خاص طور پر ملک دلمیر۔" محمود کہتے کہتے اچانک رُک گیا۔ (جاری ہے)

زخمی

اشتیاق احمد

آخری قسط

''جی ہاں... ملاحظہ فرمائیں... ان کا چہرہ۔'' فاروق نے کہا۔

انسپکٹر جمشید اور دوسرے ملک دلمیر کی طرف گھوم گئے... اس کے چہرے پر ایک رنگ آ رہا تھا تو دوسرا جا رہا تھا۔

''آپ... آپ کو کیا ہوا ملک صاحب؟'' سب انسپکٹر نے بوکھلا کر کہا۔

''ان کا ہارٹ فیل ہونے کے قریب ہے... جلدی سے ایمبولینس منگالیں... مم... مگر نہیں... ایمبولینس کی یہاں کیا ضرورت، ہم تو پہلے ہی ایک عدد ہسپتال میں موجود ہیں۔'' فاروق بولا۔

ملک دلمیر اب بھی کچھ نہ بولا... سب کو اس کی خاموشی نے حیرت زدہ کر کے رکھ دیا تھا۔

''اُف خدا... میں سمجھ گیا... تو یہ ساری سازش ملک دلمیر کی تھی... صدر صاحب پر قاتلانہ حملہ انھوں نے کرایا تھا... کمرے میں پڑا ہوا زخمی دراصل ان کا آدمی ہے۔''

''جی ہاں، آپ ٹھیک سمجھے... زخمی نے یہ بھی بتایا ہے کہ اس سازش میں اکرام خان اور ڈاکٹر ہمدانی بھی برابر کے شریک ہیں اور انھیں بڑے بڑے عہدوں کے لالچ دیے گئے ہیں... بلکہ نوٹوں سے بھرے ہوئے بریف کیس تو پہلے ہی دیے جا چکے ہیں... اس نوٹوں سے بھرے ہوئے بریف کیس کی وجہ سے زخمی کے باقی چار ساتھی اس کی خبر گیری کے لیے ہسپتال نہیں پہنچے اور نہ اسے بچانے کی انھوں نے کوئی کوشش کی... یہی چیز محسوس کر کے وہ بیان دینے پر آمادہ ہو گیا... اس کے چاروں ساتھیوں نے سوچا... زخمی ہسپتال میں مر گیا تو اس کا حصہ بھی وہ آپس میں تقسیم کر لیں گے... اس لیے اسے بچانے کی کیا ضرورت۔'' محمود کہتا چلا گیا۔

''اور تم اس کا بیان ٹیپ بھی کر چکے ہو۔'' انسپکٹر جمشید پُر جوش لہجے میں بولے۔

''جی ہاں... بالکل...

چیک بھی کر چکے ہیں کہ ٹیپ ہو گیا ہے یا نہیں۔''

''ویری گڈ۔'' انھوں نے خوش ہو کر کہا اور ملک دلمیر کی طرف بڑھے:

''مسٹر دلمیر... اب کیا کہتے ہیں آپ؟''

''یہ کہ تم سب ہاتھ اوپر اُٹھا دو۔''

اس لمحے ملک دلمیر کے ہاتھ میں پستول نظر آیا۔

''اور تم وہ ٹیپ میرے حوالے کر دو۔''

''معاف کیجیے گا ملک صاحب... اب اس ٹیپ کی کوئی اہمیت نہیں رہ گئی... اتنے بہت سے لوگ اس بیان کو سن چکے ہیں، دوسرے یہ کہ یہ بیان سننے کے بعد ہی آپ نے ہم پر پستول تانا... جس سے صاف ظاہر ہے کہ زخمی کا بیان سو فی صد درست ہے... اب آپ بچ نہیں سکتے... اب تو صدر صاحب بھی آپ کی سفارش نہیں کر سکتے... جب انھیں معلوم ہوگا کہ یہ سب کیا دھرا تو آپ کا ہے تو پھر آپ کے بارے میں ان کا حکم کچھ اور ہی ہوگا... اس لیے پستول پھینک دیں اور خود کو قانون کے حوالے کر دیں گے، اس وقت آپ کے لیے اس سے بہتر مشورہ کوئی ہو ہی نہیں سکتا۔'' انسپکٹر جمشید روانی کے عالم میں کہتے چلے گئے۔

''میں نے کہا ہے، سب لوگ ہاتھ اوپر اٹھا دیں... میں تم سب کو ختم کر دوں گا... اور ہسپتال کو آگ لگوا دوں گا... نہ رہے گا بانس اور نہ بجے گی بانسری... کل کے اخبارات میں خبر ہوگی کہ ہسپتال میں اچانک آگ لگ گئی اور بے شمار لوگ جل کر راکھ ہو گئے... کوئی یہ نہ جان سکے گا کہ ایسا کس طرح ہوا.. اور میں ملک دلمیر کا ملک دلمیر ہی رہوں گا۔'' اس نے فخریہ لہجے میں کہا۔

''تم بھول رہے ہو... تمہارے پستول میں اتنی گولیاں نہیں ہیں کہ سب کو ختم کر سکو۔'' انسپکٹر جمشید بولے۔

''سب انسپکٹر اپنا پستول بھر کر مجھے دے گا... اور میرا خالی پستول مجھ سے لے کر بھر کر دے گا۔'' اس نے کہا۔

''کیوں بھئی... کیا تم بھی اس کا ساتھ دو گے۔'' انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

''نن... نہیں... یہ مجھ سے نہیں ہوگا... میں ایک بھی بے گناہ کے خون سے ہاتھ نہیں رنگ سکتا۔'' اس نے کانپ کر کہا۔

''تب پھر تم بھی ان کے ساتھ جل مرو گے... میرے پاس دوسرے طریقے ہیں۔''

''بس ابا جان... اب اس کا کھیل ختم ہو گیا... ہم اس کے منہ سے یہی الفاظ سننا چاہتے تھے۔'' محمود خوش ہو کر بولا۔

''کیا مطلب؟''

''مطلب یہ کہ جب ہم ہسپتال پہنچے اور آپ دونوں کے مقابلے کا حال جانا تو زخمی کے کمرے کی طرف کھسک لیے، لیکن یہ دیکھ کر ہماری سٹی گم ہو گئی کہ زخمی کے سینے میں ایک خنجر اتار دیا گیا تھا اور وہ مر چکا تھا۔''

''کیا کہا... مر چکا تھا۔'' انسپکٹر جمشید چلا اٹھے۔

''جی ہاں... کوئی اپنا کام کر کے جا چکا تھا... ہمیں بہت افسوس ہوا... ہم نے اس کی تلاشی لی تو جیب سے ایک جیبی ٹیپ ریکارڈر نکلا، لیکن اس میں کچھ بھی ٹیپ کیا ہوا نہیں تھا... ہم پھر مجمعے میں آ شامل ہوئے اور آپ کا مقابلہ سننے لگے... اور پھر اس وقت ہمیں یوں محسوس ہوا کہ ملک دلمیر دراصل آپ کو زخمی سے دور رکھنے کی کوشش کر رہا ہے اور بات کوئی نہیں... یہ ضد اور آن کا مسئلہ نہیں ہے... مسئلہ خون کا ہے... کہ اگر آپ نے زخمی کا بیان لے لیا تو معاملہ خراب

ہو جائے گا... دوسرے یہ ڈراما رچانے کا مطلب یہ تھا کہ ملک صاحب کے آدمی کو موقع مل جائے اور سب کی نظروں سے بچ کر زخمی کو موت کے گھاٹ اُتار دے... یہ تھی کل کہانی... لہٰذا ملک دلمیر کے الفاظ اب ہم نے ٹیپ کر لیے ہیں... ہمیں افسوس ہے، پہلے ہم نے جھوٹ بولا تھا، لیکن مجبوری تھی... ملک دلمیر سے جرم کا اعتراف کرانے کا اور کوئی طریقہ نہیں تھا... لہٰذا اب ہم اپنا جھوٹ واپس لیتے ہیں... یوں بھی جھوٹ ملک اور قوم کی بہتری کے لیے بولا گیا ہے... اُمید ہے اللہ تعالیٰ بھی ہمیں معاف فرمائیں گے... آمین... ثم آمین۔"

"اپنا جھوٹ واپس لیتے ہیں... لیجیے... اب جھوٹ بھی واپس لیا جانے لگا... باقی کیا رہ جائے گا۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"میرا پروگرام اب بھی اپنی جگہ پر ہے... میں تم لوگوں کو گولیوں کو نشانہ بنا کر ہسپتال کو آگ لگا دوں گا۔" ملک دلمیر بولا۔

"اور میرا سوال بھی اپنی جگہ پر ہے... آپ اتنی گولیاں کہاں سے لائیں گے؟"

"پروا نہیں... صرف تم لوگوں کو ٹھکانے لگاؤں گا... باقی سب کو دھکیل کر کسی کمرے میں بند کر دوں گا۔" اس نے گرج کر کہا۔

عین اسی وقت اس کی کمر پر کوئی چیز پوری طاقت سے ٹکرائی... اور وہ اوندھے منہ گرا... ساتھ ہی انسپکٹر جمشید نے اس پر چھلانگ لگائی... ایک مُکا پوری طاقت سے اس کی کن پٹی پر دیا اور پستول پر ہاتھ ڈال دیا... دوسرے ہی لمحے وہ پستول ہاتھ میں لیے سیدھے کھڑے ہو چکے تھے:

"بس... اب تمہارا کھیل ختم ہو گیا۔"

اس کے منہ سے کوئی لفظ نہ نکل سکا... نہ ہی اس نے اپنی جگہ سے حرکت کی... پتا نہیں وہ سچ مچ بے ہوش ہو گیا تھا یا جان بوجھ کر بے ہوش بن رہا تھا۔

"اس کا کھیل کیا... یہ تو خود ہی ختم ہو گیا۔" فرزانہ بولی۔ اس کی کمر پر ٹکر اسی نے ماری تھی۔

"کیا مطلب؟" وہ چونک اٹھے۔

اب جو انھوں نے ملک دلمیر کی طرف دیکھا تو اس کے منہ سے خون کی ایک لکیر نکل رہی تھی۔

"اوہو... اس نے شاید زہر کھا لیا... زہر کا کوئی کیپسول یا سوئی اس کے پاس رہی ہو گی۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

انھوں نے جھک کر دیکھا تو ملک دلمیر کے جسم میں تھرتھری دوڑ چکی تھی... دیکھتے ہی دیکھتے اس نے دم توڑ دیا... اس کے دائیں ہاتھ کی انگوٹھی کا نگینہ غائب تھا:

"اوہ... اس نے ہیرا نگلا ہے... یا پھر نگینے کی جگہ زہر بھرا ہوا تھا۔"

"اور ابھی اس کے ساتھیوں کو بھی گرفتار کرنا ہے۔" فرزانہ بولی۔

"ایس پی منظور صاحب... آپ اور انسپکٹر سجاد صاحب اپنی ڈیوٹی سنبھالیں... سب انسپکٹر صاحب کو بھی ڈیوٹی پر بحال رکھیں، کیونکہ انھوں نے بھی آخری وقت میں مجرم کا ایک غلط حکم ماننے سے انکار کیا تھا۔"

"جی بہتر۔"

"ڈاکٹر ہمدانی وغیرہ سے ہم خود نبٹ لیں گے... آپ یہاں ملک دلمیر کے چمچوں کو گرفتار کر لیں۔"

تھوڑی دیر بعد وہ واپس دارالحکومت جا رہے تھے... رات بھیگ چلی تھی... چاندنی بھی آخری تاریخیں تھیں... ایسے میں فاروق نے کہا:

"لیکن ابا جان... مجرم نے صدر صاحب پر قاتلانہ حملہ کیوں کرایا؟"

"خود اقتدار پر قبضہ جمانے کے لیے... کیونکہ صدر کے بعد ملک بھر میں اس کی حیثیت زیادہ تھی... لوگ اسے ہی صدر کی کرسی پر بٹھاتے... یا پھر اس نے یہ کام کسی بڑی طاقت کے اشارے پر کیا ہوگا، لیکن غرض اس طرح بھی وہی رہے گی، بڑی طاقتیں اسی طرح حکومتیں بدل ڈالتی ہیں اور اپنی مرضی کے حکمران اُوپر لے آتی ہیں۔"

"اُف توبہ... اللہ بچائے ان بڑی طاقتوں کے چنگل سے... اسی لیے تو قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں... غیر مسلم تمہارا دوست نہیں ہو سکتا۔" محمود بولا۔

"اور مجھے خیال ستا رہا ہے امی جان کا... اکیلی پریشان ہو رہی ہوں گی۔" فرزانہ بولی۔

"فکر نہ کرو... ہم جو جا رہے ہیں، ان کے ساتھ پریشان ہونے کے لیے۔" فاروق نے شوخ آواز میں کہا اور انسپکٹر جمشید مسکرانے لگے۔ فرزانہ اسے گھور کر رہ گئی۔ محمود کے چہرے پر ایسے آثار تھے جیسے اس نے فاروق کا جملہ سنا ہی نہ ہو، وہ کسی گہری سوچ میں گم ہو چکا تھا۔